﴿... اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (آل عمران: ۷۴) ﴿... عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۰)

ہفت روزہ

الفضل

انٹرنیشنل

لندن

مدیر اعلیٰ: رشید احمد چوہدری

شمارہ ۶	جمعہ ۱۱ فروری ۹۴ء ۳۰ شعبان ۱۴۱۴ھ	جلد ۱

چاند دیکھنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ۔

اے اللہ تعالیٰ دکھا ہم کو یہ چاند امن اور ایمان کے ساتھ اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ۔ میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ارشادات عالیہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

"شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ" (پ ۲-۸۷)

یہی ایک فقرہ ہے جس سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم (روزہ) تجلی قلب کرتا ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جاوے اور تجلی قلب سے یہ مراد ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لیوے۔ پس اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ میں یہی اشارہ ہے اس میں شک و شبہ کوئی نہیں ہے روزہ کا اجر عظیم ہے لیکن امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم رکھتے ہیں مجھے یاد ہے کہ جوانی کے ایام میں میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ روزہ رکھنا سنت اہل بیت ہے میرے حق میں پیغمبر خدا نے فرمایا

سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ

سلمان یعنی الصلح کہ اس شخص کے ہاتھ سے دو صلح ہوں گی ایک اندرونی دوسری بیرونی اور یہ اپنا کام رفق سے کرے گا نہ کہ شمشیر سے اور میں مشرب حسین پر نہیں ہوں کہ جس نے جنگ کی بلکہ مشرب حسن پر ہوں کہ جس نے جنگ نہ کی میں نے سمجھا کہ روزہ کی طرف اشارہ ہے چنانچہ میں نے چھ۶ ماہ تک روزے رکھے۔ اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ انوار کے ستونوں کے ستون آسمان پر جارہے ہیں یہ امر مشتبہ ہے کہ انوار کے ستون زمین سے آسمان پر جاتے تھے یا میرے قلب سے لیکن یہ سب کچھ جوانی میں ہو سکتا تھا اور اگر اس وقت میں چاہتا تو چار سال تک روزہ رکھ سکتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا تعالیٰ کے احکام دو قسموں میں تقسیم ہیں ایک عبادات مالی دوسرے عبادات بدنی عبادات مالی تو اسی کے لئے ہیں جس کے پاس مال ہو اور جس کے پاس نہیں وہ معذور ہیں اور عبادات بدنی کو بھی انسان عالم جوانی میں ہی ادا کر سکتا ہے ورنہ ۶۰ سال جب گذرے تو طرح طرح کے عوارضات لاحق ہوتے ہیں نزول الماء وغیرہ شروع ہو کر بینائی میں فرق آجاتا ہے یہ ٹھیک کہا کہ پیری و صد عیب اور جو کچھ انسان جوانی میں کر لیتا ہے اسی کی برکت بڑھاپے میں بھی ہوتی ہے اور جس نے جوانی میں کچھ نہیں کیا اسے بڑھاپے میں بھی صدہا رنج برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ موئے سفید از اجل آرد پیام۔ انسان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ حسب استطاعت خدا کے فرائض بجالاوے۔ روزہ کے بارے میں خدا فرماتا ہے

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ

یعنی اگر تم روزہ رکھ بھی لیا کرو تو تمہارے واسطے بڑی خیر ہے۔ (البدر جلد ۱ نمبر ۷ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۲)

"رمض سورج کی تپش کو کہتے ہیں رمضان میں چونکہ انسان اکل و شرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام کے لئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔ اہل لغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینہ میں آیا اس لئے رمضان کہلایا میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عرب کے لئے یہ خصوصیت نہیں ہو سکتی روحانی رمض سے مراد روحانی ذوق و شوق اور حرارت دینی ہوتی ہے رمض اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر وغیرہ گرم ہو جاتے ہیں۔ (الحکم جلد ۵ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء۔ صفحہ ۲)

القرآن الحکیم

روزہ کی فرضیت اور اس کا مقصد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ آیت ۱۸۵)

ترجمہ :۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر (بھی) روزوں کا رکھنا (اسی طرح) فرض کیا گیا ہے جس طرح اُن لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تاکہ تم (روحانی اور اخلاقی کمزوریوں سے) بچو۔ (سو تم روزے رکھو) چند گنتی کے دن اور تم میں سے جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو اسے اور دنوں میں تعداد پوری کرنی ہوگی۔ اور اُن لوگوں پر جو اس (یعنی روزے) کی طاقت نہ رکھتے ہوں (بطور فدیہ) ایک مسکین کا کھانا دینا (بشرطِ استطاعت) واجب ہے۔ اور جو شخص پوری فرمانبرداری سے کوئی نیک کام کرے گا تو یہ اس کے لئے بہتر ہوگا۔ اور اگر تم علم رکھتے ہو تو (سمجھ سکتے ہو کہ) تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔

رمضان کا مبارک مہینہ اور اس کی خاص عظمت

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرہ آیت ۱۸۶)

ترجمہ :۔ رمضان کا مہینہ وہ (مہینہ) ہے جس کے بارہ میں قرآن نازل کیا گیا ہے، (وہ قرآن) جو تمام انسانوں کے لئے ہدایت (بنا کر بھیجا گیا) ہے اور جو کھلے دلائل اپنے اندر رکھتا ہے (ایسے دلائل) جو ہدایت پیدا کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی (قرآن میں) الٰہی نشان بھی ہیں اس لئے تم میں سے جو شخص اس مہینے کو (اس حال میں) دیکھے (کہ نہ مریض ہو نہ مسافر) اسے چاہیئے کہ وہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس پر اور دنوں میں تعداد پوری کرنی واجب ہوگی۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا اور (اس نے یہ حکم اس لئے دیا ہے تاکہ تم تنگی میں نہ پڑو اور) تاکہ تم تعداد کو پورا کر لو اور اس (بات) پر اللہ کی بڑائی کرو کہ اُس نے تم کو ہدایت دی ہے اور تاکہ تم (اس کے) شکر گذار بنو۔

احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

روزہ اور اس کی اہمیت

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّيَامَ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ ۔ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ : اِنِّيْ صَائِمٌ ۔ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَاِذَا لَقِيَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ (بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انسان کے سب کام اس کے اپنے لئے ہیں مگر روزہ میرے لئے۔ اور میں خود اس کی اجزاء بنوں گا یعنی اس کی اس نیکی کے بدلہ میں اسے اپنا دیدار نصیب کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ ڈھال ہے۔ پس تم میں سے جب کسی کا روزہ ہو تو نہ وہ بیہودہ باتیں کرے نہ شور و شر کرے اور اس سے کوئی گالی گلوچ کرے یا لڑے جھگڑے تو وہ جواب میں کہے میں نے تو روزہ رکھا ہوا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ اور خوشگوار ہے۔ کیونکہ اس نے یہ اپنا حال خدا تعالیٰ کی خاطر کیا ہے۔ روزے دار کے لئے دو خوشیاں مقدر ہیں۔ ایک خوشی اسے اس وقت ہوتی ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری خوشی اسے اس وقت ہوگی جب روزے کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کی ملاقات نصیب ہوگی۔

رمضان کی راتوں میں اُٹھ کر عبادت کرنے کا اجر

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایمان کے تقاضے اور ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں میں اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان کے بایہ ناز شاعر جناب عبید اللہ علیم صاحب آج کل یورپ کے دورے پر آئے ہوئے ہیں۔ ہماری درخواست پر انہوں نے ایک نظم الفضل انٹرنیشنل کے لئے بھجوائی ہے جو ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔

(ادارہ)

نوروں نہلائے ہوئے قامتِ گلزار کے پاس
اک عجب چھاؤں میں ہم بیٹھے رہے یار کے پاس

اُس کی ایک ایک نگہ دل پہ پڑی ایسی کہ بس
عرض کرنے کو نہ تھا کچھ لبِ اظہار کے پاس

یوں ہم آغوش ہوا مجھ سے کہ سب ٹوٹ گئے
جتنے بھی بت تھے صنم خانۂ پندار کے پاس

تم بھی اے کاش کبھی دیکھتے سنتے اُس کو
آسماں کی ہے زباں یارِ طرحدار کے پاس

یہ محبت تو نصیبوں سے ملا کرتی ہے
چل کے خود آئے مسیحا کسی بیمار کے پاس

یونہی دیدار سے بھرتا رہے یہ کاسۂ دل
یونہی لاتا رہے مولا ہمیں سرکار کے پاس

پھر اُسے سایۂ دیوار نے اُٹھنے نہ دیا
آکے اک بار جو بیٹھا تری دیوار کے پاس

تجھ میں اک ایسی کشش ہے کہ بقولِ غالب
خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

تیرا سایا رہے سر پر تو کسی حشر کی دھوپ
سرد پڑ جائے جو آئے بھی گنہ گار کے پاس

الفضل لندن کے لئے دعاؤں کے ساتھ

۲۲/۱۲/۹۳
لندن

اسیران راہ مولیٰ کے لئے

خصوصی دعاؤں کی درخواست

احباب جماعت سے اسیران راہ مولیٰ کی جلد رہائی کے لئے خاص طور پر دردمندانہ دعاؤں کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عظیم قربانیوں کو قبول فرمائے۔ ان کے بیوی بچوں اور تمام لواحقین کو صبر و استقامت او بہترین اجر عطا فرمائے۔

اِنَّ الفَضلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤتِیہِ مَن یَّشَاءُ (آل عمران: ۷۴) عَسٰی اَن یَّبعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحمُودًا (بنی اسرائیل: ۸۰)

ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن

جلد ۱ | جمعہ ۱۱ فروری ۹۴ء ۳۰ شعبان ۱۴۱۴ھ | شمارہ ۶

مکمل پتہ
۱۶۔ گریسن ہال روڈ۔ لندن۔ ایس ڈبلیو ۱۸۔ ۵ کیو ایل۔
16, Gressenhall Road, London. SW18 5QL. U.K
Phone/Fax.081.870.0919

دیکھو میرے دوستو!
اخبار
شائع ہو گیا
(الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ البشریٰ ۱۹۰۶ء)
(حروف ابجد کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حساب لگایا جائے تو سال ۱۹۹۳ء بنتا ہے)

اداریہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ رمضان المبارک اپنی تمام برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔ یہ مہینہ روحانیت کی موسم بہار ہے جس میں قبولیت دعا کے نظارے اپنے جوبن پر ہوتے ہیں اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوش خبریاں ملتی ہیں۔ ان کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور وہ اس ماہ میں ایک نئی روحانی زندگی پاتے ہیں۔ اس مبارک مہینہ میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا تھا اور اسی مہینہ میں دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان خاص انہماک کے ساتھ گھروں میں اور مسجدوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور کتاب الٰہی کے معانی پر غور کرتے ہیں تاکہ قرآن کریم کے عرفان کے ساتھ قربانی کی حقیقی روح بھی پیدا ہو۔ اس طرح یہ مہینہ ہمیں قربانیوں کی طرف توجہ دلاتا ہے اور اعلیٰ مقاصد کی خاطر مصائب و شدائد برداشت کرنے کی تربیت دیتا ہے۔ پس چاہئے کہ ہر وہ شخص جس کی زندگی میں یہ مہینہ آئے وہ اس کے روزے رکھنے، بکثرت تلاوت قرآن کرنے، والدین کی خدمت کرنے اور صدقہ و خیرات کے ذریعہ اپنے دنوں اور راتوں کو زندہ کرے اور یاد رکھے کہ اسی مبارک مہینہ میں ایک ایسی بھی رات آتی ہے جسے لیلۃ القدر کہتے ہیں اور جو قرآن کریم کی رو سے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرو۔

رمضان المبارک دعاؤں کی قبولیت کے لحاظ سے بھی ایک خاص مہینہ ہے۔ ہر مومن کو چاہئے کہ وہ اس میں ذکر الٰہی اور دعاؤں کی طرف خصوصی توجہ دے اور "اُجِیبُ دَعوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" کی خوش خبری کو جذب کرتے ہوئے دعاؤں کی قبولیت کے نظارے دیکھے۔

پھر اسی مہینہ کی ایک خاص عبادت اعتکاف ہے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں مومنین جنہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے مسجد میں دھونی رماتے ہیں اور دن رات تسبیح و تحمید، درود و سلام اور دعاؤں میں بسر کرتے ہیں۔ کثرت سے تلاوت قرآن کریم کرتے ہیں اور ایک رنگ میں دنیا سے لاتعلقی اختیار کرتے ہیں اور اختتام اعتکاف پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور برکتوں کو سمیٹ کر اپنے گھروں کو جاتے ہیں۔

اس مختصر نوٹ میں رمضان المبارک کی برکتوں کا احاطہ ہمارے لئے ممکن نہیں اس لئے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ میں ہی انہیں اپنے قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا کہ شعبان کے آخری دن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بشارت دی کہ:۔

"کل سے تم پر ایک عظیم مہینہ طلوع ہو رہا ہے اس مہینہ میں ایک رات ایسی آتی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے فرض قرار دئے ہیں۔ اس ماہ کی راتوں میں تہجد کے لئے اٹھنا بہت بڑی طوعی نیکی ہے۔ اس ماہ کے دوران جو شخص بھی کوئی نفلی کام کرتا ہے اسے اتنا ثواب ملتا ہے جتنا کہ دیگر مہینوں میں فرض ادا کرنے سے ملتا ہے اور فرض کا ثواب تو اس ماہ میں ستر گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ پھر یہ باہمی ہمدردی کا مہینہ ہے۔ اس ماہ میں مومن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کراتا ہے اسے گناہوں سے مغفرت حاصل ہوتی ہے اور اس کی گردن آگ سے آزاد کی جاتی ہے اور روزہ دار کے ثواب میں کسی قسم کی کمی کئے بغیر روزہ افطار کرانے والے کو بھی ویسا ہی ثواب ملتا ہے۔"

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم)

رمضان المبارک میں صدقہ و خیرات اور غرباء پر اپنے اموال خرچ کرنے کی بھی تاکید آئی ہے۔ حدیثوں میں درج ہے کہ رمضان المبارک میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تیز آندھی کی طرح صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے۔

آج دنیا میں ہزاروں لاکھوں مظلوم ایسے ہیں جو اپنوں اور غیروں کے ہاتھوں ظلم کا نشانہ بنائے گئے ہیں یہ سب اس مہینہ میں ہماری خصوصی ہمدردی کے محتاج ہیں۔ خاص طور پر ہمارے مظلوم بوزنین بھائی اور بہنیں اس بات کے بطور خاص مستحق ہیں کہ اس مبارک مہینہ میں ہم اپنے اموال کے ذریعہ انکی بھی دلجوئی کریں۔

اللہ کرے کہ ہم اس مقدس و مبارک مہینہ کی برکات اور افضال الٰہی سے استفادہ کرنے والوں میں شمار ہوں۔

رمضان کے روزے

روزہ جیسے تقویٰ سیکھنے کا ایک ذریعہ ہے ایسے ہی قرب الٰہی حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کا ذکر فرماتے ہوئے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی

قَرِیبٌ اُجِیبُ دَعوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلیَستَجِیبُوا لِی وَلیُؤمِنُوا بِی لَعَلَّھُم یَرشُدُونَ

یہ رمضان کی ہی شان میں فرمایا گیا ہے اور اس سے اس ماہ کی عظمت اور سر الٰہی کا پتہ لگتا ہے کہ اگر وہ اس میں دعائیں مانگیں تو میں قبول کروں گا لیکن ان کو چاہئے کہ میری باتوں کو قبول کریں اور مجھے مانیں۔ انسان جس قدر خدا تعالیٰ کی باتیں ماننے میں قوی ہوتا ہے خدا بھی ایسے ہی اس کی باتیں مانتا ہے۔

(محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب مرحوم)

روزہ کیا ہے؟

طلوع فجر سے لے کر سورج غروب ہونے تک نہ کھانا نہ پینا اور نہ ہی اپنی بیوی سے ہم بستر ہونا بشرطیکہ اس میں نیت اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو روزہ کہلاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ ہر قسم کی برائیوں سے، گپ بازی سے اور فضول اور لغو کاموں سے انسان باز رہے۔ سارا دن ذکر الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کرے یعنی خواہ وہ کوئی دنیوی کام ہی کر رہا ہو اللہ تعالیٰ کی یاد اس کے دل سے محو نہ ہو۔ حقیقی روزہ اسی کا نام ہے۔ صرف بھوکا پیاسا رہنا اور اپنی بد عادات کو ترک نہ کرنا روزہ کے مقصد کو پورا نہیں کرتا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔

یعنی جو شخص جھوٹ اور اس پر عمل کو ترک نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے کھانا پینا چھوڑ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رمضان کے دنوں میں صدقہ و خیرات بھی کثرت سے کرنی چاہئے۔ انسان کا ہاتھ کھلا رہے اور دوست احباب کی خاطر و مدارات میں بھی سبقت دکھائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رمضان کی ہر رات میں آپ پر جبریل نازل ہوتے اور ان دنوں میں آپ یوں سخاوت کرتے جیسے تیز ہوا چلتی ہے

مرض اور سفر کی حالت میں روزہ

روزہ کا اجر عظیم ہے اور امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم کر دیتے ہیں اس لئے انسان کو دعا مانگنی چاہئے کہ:

"الٰہی یہ تیرا مبارک مہینہ ہے میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال رہوں یا نہ رہوں یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ کر سکوں"۔ یقین ہے کہ ایسے قلب کو خدا طاقت بخش دے گا لیکن اس کے باوجود اگر تقدیر الٰہی غالب آئے اور انسان بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہو جائے گی کیونکہ ہر کام کا مدار نیت پر ہے۔ جو شخص کہ روزہ سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت درد دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا۔ اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے روزے رکھیں گے۔

بہر حال بیمار ہونے یا سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

یعنی سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔

حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے۔

"قرآن کریم سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ سفر میں تکالیف اٹھا کر جو انسان روزہ رکھتا ہے تو گویا اپنے زور بازو سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے اس کی اطاعت امر سے خوش نہیں کرنا چاہتا یہ غلطی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت امر و نہی میں سچا ایمان ہے۔"

علاوہ ازیں حائضہ اور نفاس والی عورت بھی روزہ نہیں رکھ سکتی۔ ایسے ہی حاملہ اور دودھ پلانے والی بھی روزہ نہ رکھے لیکن بعد میں جب یہ

باقی صفحہ ۱۵ پر

حوادث زمانہ یا عذاب الٰہی

از قلم، سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

یہ سوال بڑی دیر سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال سے انسانی ذہن کو الجھائے ہوئے ہے کہ حادثات طبعی کا کوئی تعلق اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ہے یا نہیں ؟۔

اس سلسلہ میں دو نظریات ایک دوسرے کے مقابل کھڑے نظر آتے ہیں۔ ایک نظریہ اس امر پر مشتمل ہے کہ دنیا میں جتنے بھی حادثات واقع ہوتے ہیں یا آفات رونما ہوتی ہیں یہ سب قوانین طبعی کے ماتحت خود بخود ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور انسان کے اعمال، اس کی نیکی اور بدی یا رسولوں کے انکار سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ دوسری طرف قدیم سے تمام قطعہ ارض پر بسنے والے اہل مذاہب کسی نہ کسی رنگ میں یہ مانتے چلے آئے ہیں کہ عذاب اور آفات جب بھی غیر معمولی نوعیت اختیار کر جائیں تو قوانین طبعی کے دائرے سے نکل کر قوانین غیر طبعی کے حلقہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان سب مذاہب میں خدائے واحد و یگانہ کا وہ تصور تو نہیں ملتا جو اسلام نے پیش کیا ہے لیکن اپنے اپنے رنگ میں ان بات پر سب کا اتفاق نظر آتا ہے کہ یہ عذاب اور آفات کسی باشعور ہستی کے فیصلے کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں۔ خواہ اس کا نام سورج دیوتا بیان کیا جائے یا بادلوں کا خدا یا پہاڑوں کی روح یا سمندروں کی دیوی۔ وہ تمام مذاہب بھی جو خدا تعالیٰ کی مختلف صفات میں بعض خیالی خداؤں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ غیر معمولی آفات سماوی و ارضی کو غیر طبعی قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ وہ مذاہب جن میں توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ آج تک محفوظ چلا آ رہا ہے ان میں بھی اگرچہ توحید کی تفاصیل میں کچھ نہ کچھ فرق ملتا ہے لیکن اس بات پر وہ بھی متفق ہیں کہ آفات سماوی یا حادثات طبعی ایک واحد خدا کی ناراضگی کا مظہر ہوتے ہیں۔ ان مذاہب میں سر فہرست اسلام ہے اس کے بعد یہودیت اور پھر عیسائیت ہے جو بیک وقت توحید کی بھی دعوے دار ہے اور تثلیث کی بھی۔

یہ ایک دلچسپ معمہ ہے اور آج کی دنیا میں جبکہ انسان طبیعات کے بہت سے گہرے اسرار کا واقف ہو چکا ہے اور ان تمام آفات و مصائب یا حوادث کے تہ بہ تہ عوامل اور محرکات کی گہری تحقیق کر کے بہت سے سربستہ رازوں پر سے پردہ اٹھا چکا ہے، یہ سوال مادہ پرست انسان کے لئے بھی اور اہل مذاہب کے لئے بھی دوہری اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ اہل مذاہب کے بارے میں یہ کہنا یقیناً درست ہو گا کہ آج یہ سوال پہلے سے کئی گنا بڑھ کر اہم اور قابل توجہ بن چکا ہے کیونکہ پہلے اہل دنیا جس خیال کو ظاہری مشاہدات کی بناء پر مانتے چلے آ رہے تھے۔ آج ان کے ہاتھ میں صرف ظاہری مشاہدہ کا ہی ہتھیار نہیں بلکہ عالم طبعی کی تہ بہ تہ جستجو کے نتیجہ میں جو حقائق وہ دریافت کر چکے ہیں وہ سب اس طرف اشارہ کرتے نظر آتے ہیں کہ تمام امور قوانین طبعی کا طبعی نتیجہ ہیں اور کسی مافوق البشر ہستی کی دخل اندازی سے ان کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اہل مذاہب اس کے برعکس ابھی تک اسی مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں جس پر وہ پہلے تھے۔ اور کوئی ایسی نئی تحریک مذاہب کے ماننے والوں کی طرف سے پیش نہیں کی گئی جو اس موقف کی مزید تائید یا تصدیق کر سکے کہ حوادث زمانہ کا کوئی تعلق کسی مافوق البشر ہستی سے ہے۔

جماعت احمدیہ چونکہ از سر نو بڑے زور اور اصرار کے ساتھ اس نظریئے کو دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے کہ حوادث اور مصائب کی صورت میں جو مظاہر طبعی ہمیں نظر آتے ہیں ان کا تعلق یقیناً اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ساتھ بھی ہے۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ جماعت احمدیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ جماعت سے وابستہ محققین اور مبصرین اس مسئلہ کے ہر پہلو کی چھان بین کر کے صرف اس امر کی وضاحت کریں کہ جماعت احمدیہ کے اس نظریہ کا حقیقی مفہوم کیا ہے بلکہ اس نظریہ کی تائید اور تصدیق میں ایسے دلائل بھی پیش کریں جو نئے علوم کی روشنی میں بنائی ہوئی عقل کو مطمئن کر سکیں۔ آج دنیا کا جو انسان ہمارا مخاطب ہے وہ ہزار دو ہزار یا پانچ ہزار سال کے انسان کی نسبت مادی علم کے میدان میں اتنا آگے نکل چکا ہے کہ محض دعاوی کی تکرار سے اور کسی نظریہ کو بلند آواز سے بیان کرنے کے نتیجہ میں ہرگز تسلی نہیں پا سکتا۔ پس مذہب اور لادینیت کی جنگ میں ایک یہ بھی میدان ہے جو ابھی سر کرنے والا ہے۔ اس وقت تک تو اس معرکے کا جو نتیجہ ظاہر ہوا ہے وہ مذہب کی شکست اور لادینیت کی فتح دکھائی دیتا ہے۔ یہ فتح اس حد تک نمایاں نظر آتی ہے کہ اہل اسلام کا بھی ایک بڑا طبقہ مادی نظریہ طبیعات سے متاثر ہو کر مافوق البشر مداخلت کے عقیدہ سے منحرف ہو چکا ہے۔ اگرچہ غیر معمولی مصائب کے وقت عامۃ الناس کبھی کبھی تو یہ زبان سے پکار اٹھتے ہیں کہ یہ تو عذاب ہے اور چند دن کے لئے جب تک معیبت ان کو گھیرے رکھے۔ اذانیں دے کر یا استغفار کر کے یا دعائیں مانگ کر اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع بھی کرتے ہیں لیکن عملاً ان مظاہر قدرت کو عذاب قرار دینے کے باوجود ان کی زندگی میں کوئی بنیادی فرق نہیں پڑتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ایک عارضی اور فانی خیال کی طرح دل و دماغ سے ایک مسافر کی طرح گزر جاتی ہے۔ مزید برآں عمومی رنگ میں حوادث کو عذاب الٰہی قرار دینے کے باوجود وہ قرآن کریم کے اس دعویٰ کی طرف پھر بھی توجہ نہیں کرتے کہ ان عذابوں کا تعلق محض بد اعمالیوں سے ہی نہیں بلکہ رسولوں سے انکار سے بھی ہے۔ بلکہ اس حد تک ہے کہ بد اعمالیوں کی سزا کے نتیجہ میں بھی یہ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتے جب تک اللہ تعالیٰ کوئی تنبیہ کرنے والا پیغمبر ان میں نہ بھیج دے اور وہ بروقت متنبہ کر کے دنیا کو نیکیوں کی طرف بلانے کی کوشش نہ کر لے۔

جماعت احمدیہ جو اس نظریئے کی بھی بڑے وثوق سے قائل ہے، روزمرہ اس سلسلہ میں تلخ تجربات کا سامنا کرتی رہتی ہے اور آئے دن احمدیوں کو ایسے دوستوں سے تبادلہ خیالات کا موقعہ ملتا رہتا ہے جو غیر معمولی آفات کو عذاب الٰہی ماننے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس بات کو تسلیم کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتے کہ ان عذابوں کے ظہور سے قبل اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی اصلاح اور تنبیہ کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی نبی بنا کر بھیجا ہے۔ یہی نہیں بلکہ احمدیوں کو اس سلسلہ میں بعض اوقات سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان پر یہ طعن کیا جاتا ہے کہ ہر معیبت جو دنیا پر نازل ہوتی ہے تم اسے مرزا غلام احمدؑ کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کر دیتے ہو۔ یہ کیا تمسخر ہے ؟۔ چلی میں زلزلہ آئے یا چین کی سرزمین لرزش کھا رہی ہو۔ ترکی، اٹلی یا ایران کی عمارتیں تہ و بالا ہو رہی ہوں یا ہزارہ اور مردان کی سرزمین قیامت کا نمونہ دیکھے۔ بارشیں آئیں، خشک سالی ہو، آندھیاں چلیں یا ہوائیں بند ہو جائیں۔ غرضیکہ حوادث قدرت کوئی بھی کروٹ لیں تم لوگ بلا سوچے سمجھے ہر طبعی واقعہ کو مرزا صاحب کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کرنے لگ جاتے ہو۔ ذرا سوچو یہ کیسا غیر معقول اور مضحکہ خیز طریق ہے جس سے آج کی دنیا میں کوئی بھی متاثر ہونے کے لئے تیار نہیں۔ یہ باتیں سن کر بعض احمدی تو اظہار حسرت کے سوا اور کوئی قدرت نہیں رکھتے، بعض خود اس معاملہ میں متفکر اور متردد ہو جاتے ہیں کہ کہیں واقعتہً یہ محض ہمارا خیال ہی تو نہیں۔ جب سے دنیا بنی ہے آفات و مصائب سے اہل دنیا کا واسطہ پڑتا ہی چلا آ رہا ہے پھر بھی ہم کیسے ان طبعی واقعات کو صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ سوچ کا مسئلہ کسی منزل پر رک نہیں سکتا بلکہ اس خیال کے آتے ہی معاً تصور کی دوسری چھلانگ اس جانب لپکتی ہے کہ قرآن کریم میں کیوں حوادث طبعی کو بڑے اصرار اور تکرار کے ساتھ انبیاء کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور کیوں قرآن بکثرت اس مضمون سے بھرا پڑا ہے کہ خدا کے کسی مرسل کے انکار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک کے بعد دوسری قوم کو ہلاک کیا اور صرف وہی باقی رکھے گئے جو ایمان لانے والے تھے ؟۔ پھر کیوں قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں بھی بار بار یہی دلیل پیش کرتا ہے ؟۔ اور انسانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ اگر رسولوں کے سردارؐ کا انکار کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جو سلوک کمتر درجہ کے انبیاء کے منکرین کے ساتھ کیا تھا وہی سلوک بلکہ اس سے بڑھ کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین سے بھی کیا جائے گا۔ اور خدا کا یہی سلوک اس بات کی گواہی دے گا کہ یہ رسول اپنے تمام دعاوی میں سچا تھا۔ پس اس منزل پر تصور کی چھلانگ مسئلے کو احمدیت کے دائرے سے نکال کر وسیع تر اور بلند تر اصولی سوال تک پہنچا دیتی ہے کہ فی ذاتہٖ اس دعوے کی حقیقت کیا ہے ؟ کیا کسی بھی مذہب کے لئے جائز ہے کہ حوادث زمانہ کو عذاب الٰہی قرار دے یا خدا تعالیٰ کے کسی مرسل کے انکار کا نتیجہ بیان کرے ؟۔

اس تمہیدی بیان کے بعد جس سے مسئلہ کی اہمیت خوب اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ جس حد تک ممکن ہو اس کے مختلف پہلوؤں پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈالوں اور اپنے دوسرے بھائیوں کو اس بارہ میں مزید فکر و تدبر کی دعوت دوں۔

احمدیت کا نظریہ

احمدی اپنے نظریہ کی بنیاد کلیۃً قرآن کریم پر رکھتے ہیں اور نظریہ کے ہر پہلو کا استنباط بھی قرآن کریم سے ہی کرتے ہیں۔ اس لئے جب میں احمدی نظریہ کہتا ہوں تو مراد یہ ہے کہ وہ نظریہ جو جماعت احمدیہ کے نزدیک فی الحقیقت اسلامی نظریہ ہے خواہ اسلام کے دوسرے فرقے اس سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔ بہر حال احمدیہ نظریہ کے حسب ذیل پہلو خاص طور پر ذہن نشین ہونے چاہئیں ورنہ مادہ پرستوں کے ساتھ تبادلہ خیالات میں کئی پہلوؤں سے معاملہ الجھ سکتا ہے اور ایک احمدی کے لئے مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔

(۱) احمدی ہرگز اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ دنیا میں رونما ہونے والے حوادث، مصائب اور زلازل وغیرہ کی طبعی وجوہات موجود ہیں اور یہ تمام امور قانون طبعی کے تابع رونما ہوتے ہیں۔ احمدیوں کے نزدیک مذہب کا خدا بھی وہی خدا ہے جو مادی عالم کا خدا ہے اور جن کو ہم قوانین طبعی قرار دیتے ہیں۔ وہ قوانین طبعی بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نتیجہ میں اور اس کے مقرر کردہ ضابطوں کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ اگرچہ انسان نے تحقیق و جستجو کے بعد اس سلسلہ میں بہت کچھ دریافت کیا ہے لیکن قوانین طبعی کی جستجو کرنے والے مفکرین اور محققین بلا استثناء اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ جستجو کا یہ سلسلہ لامتناہی ہے اور اسباب کی کڑیوں میں سے جس قدر بھی ہم دریافت کرتے چلے جائیں کسی کڑی کو بھی پہلی کڑی قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ ہر سبب بذات خود ایک مُسبّب کا متقاضی ہے جس کا آگے کوئی سبب ہونا چاہئے۔ جب اس سبب کو تلاش کیا جائے تو اس کا آگے کوئی سبب ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ جب اس کو تلاش کر لیا جائے تو اگلے سبب کی طرف رہنمائی کرتا ہوا ایک دروازہ دکھائی دیتا ہے کہ اس کو بھی کھولو اور اس سے اگلے سبب کو تلاش کرو۔ غرضیکہ اسباب کا یہ سلسلہ جہاں تک انسانی عقل کی دسترس کا تعلق ہے لامتناہی ہے۔ پھر کون جانے کہ اصل سبب کون تھا یا کیا ہے اور کہاں پہنچ کر یہ سلسلہ ختم ہو گا؟۔ قرآن کریم پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کا سبب اول بھی اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے اور آخری نتیجہ بھی اسی کی ذات کی طرف لے جانے والا ہے۔ وہ اول بھی ہے اور آخر بھی۔ ہر چیز کا سرچشمہ بھی وہی اور ہر چیز کا مرجع بھی وہی ہے۔ ہم مسلمان جو روزمرہ گفتگو میں انا للہ و انا الیہ راجعون کا ورد کرتے ہیں درحقیقت اس میں اسی بنیادی نظریہ کا اقرار اور اعادہ کیا جاتا ہے۔ پس جماعت احمدیہ قوانین طبعی کو قوانین مذہب سے علیحدہ کوئی خود مختار متوازی نظام تصور نہیں کرتی۔ اس لئے یہ تسلیم کر لینے کے باوجود کہ بلاشبہ تمام مادی تغیرات قوانین طبعی کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ بھی تسلیم کرتی ہے اور ان دونوں اعتقادات میں کوئی تضاد نہیں پاتی کہ تمام قوانین طبعی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مقرر کردہ قوانین کے تابع کام کرتے ہیں اور وہ تمام قوت جو طبعی تبدل و تغیر کے وقت استعمال ہوتی یا خارج ہوتی ہے اس کا سرچشمہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

(۲) جماعت احمدیہ یہ اعتقاد رکھنے کے باوجود کہ غیر معمولی حوادث اور مصائب اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت سے تعلق رکھتے ہیں ہرگز یہ عقیدہ نہیں رکھتی کہ ہر قدرتی حادثہ اور ہر تغیر اور ہر تبدیلی عذاب الٰہی کی آئینہ دار ہوا کرتی ہے۔ عموماً ایک دنیادار مادہ پرست مذہبی نظریہ کو صحیح رنگ میں نہ سمجھنے کے نتیجہ میں معترض بن جاتا ہے اور کسی حد تک اس کے اعتراضات درست بھی ہوتے ہیں۔ اگر انسان اپنی طرف سے کوئی نظریہ بنا کر مذہب کے سر تھوپ دے تو لازماً اس میں تضادات اور نقائص پائے جائیں گے۔ نتیجۃً غیر مذہبی طاقتوں کو موقعہ میسر آ جائے گا کہ اس نظریئے کی خامیاں ظاہر کر کے یہ ثابت کریں کہ جس مذہب نے یہ غلط نظریہ پیش کیا ہے وہ مذہب ہی جھوٹا اور ناقابل اعتماد ہے اور انسانی عقل اس کی رہنمائی کو قبول نہیں کر سکتی۔ یہی معیبت تھی جس کا احیائے علوم کے زمانہ میں عیسائیت کو سامنا کرنا پڑا اور عیسائی پادری اپنے مذہب کی طرف ایسے خود ساختہ نظریات منسوب کر رہے تھے جن کا الہام الٰہی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یا تو وہ بگڑی ہوئی بائبل کے فرضی قصے تھے یا آیات تورات کی غلط تشریحات پر مبنی مفروضے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسان نے خصوصاً اہل یورپ نے جب قوانین قدرت کی چھان بین کی اور بہت سے انکشافات کو واضح طور پر عیسائی نظریات کے مخالف پایا تو عیسائیت کو ایک فرسودہ اور جھوٹا مذہب سمجھ کر ترک کرنا شروع کر دیا۔ پھر یا تو کھلم کھلا انہوں نے عیسائیت سے بغاوت کی یا پھر عملاً اس طرح اس سے منحرف ہو گئے کہ گو زبان نے تو انکار نہ کیا لیکن اعمال نے اس کا جوا اتار پھینکا اور آزاد مادی اور مادہ پرست یورپین سوسائٹی رونما ہوئی۔ جو عیسائیت کی قید سے ہر عملی پہلو میں آزاد تھی۔ پس مسلمانوں کو اس المیہ سے یہ سبق سیکھنا چاہئے اور خصوصاً احمدیوں کو کہ وہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کے لئے کوشاں ہیں۔ غیر معمولی احتیاط سے کام لینا چاہئے اور کسی نظریہ کو مذہب کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئے جس کا مذہب دعویدار نہ ہو۔

جہاں تک قرآن کریم، احادیث نبویہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے کہیں بھی اسلام کا یہ دعویٰ نظر نہیں آتا کہ ہر طبعی حادثہ اور تغیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا حکم رکھتا ہے۔ ہاں یہ دعویٰ ضرور ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بسا اوقات مادی اور طبعی قوانین کو ان مادی طاقتوں کی ہلاکت پر مامور کر دیا جو روحانی اور مذہبی اقدار کی نہ صرف منکر تھیں بلکہ مادی ذرائع کو استعمال کر کے روحانی اور مذہبی اقدار کو مٹانے کے درپے تھیں۔ پس جب بھی یہ صورت ظاہر ہو کہ مادی نظریات روحانی نظریات سے ٹکرا جائیں اور مادی طاقت مذہبی اقدار کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور سرکشی میں بڑھتی چلی جائے۔ تو ایسی صورت میں قرآنی نظریہ کے مطابق قوانین طبعی کو ہی ایسی مادی طاقتوں کو مٹانے یا مغلوب کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

گویا لوہا لوہے کو کاٹتا ہے یا انگریزی محاورہ کے مطابق To set a thief to catch a thief. کا منظر نظر آتا ہے یعنی وہ لوگ جو کسی مافوق البشر طاقت کے منکر اور صرف موجود مادی دنیا کے ہی قائل ہوتے ہیں انہی کی مسلمہ موجود مادی دنیا کو ان کی ہلاکت اور تباہی پر مامور کر دیا جاتا ہے ۔ ایسے واقعات کو مذہبی اصطلاح میں عذاب الٰہی کا نام دیا جاتا ہے اور اس نظریئے سے کوئی ٹکراؤ یا مقابلہ نہیں کہ ایسے واقعات اپنے پس منظر میں طبعی عوامل رکھتے ہیں ۔ مثلاً فرعون کی غرقابی کے واقعہ کو ہی لے لیجئے ۔ نیل کے ڈیلٹا میں فرعون اپنے قافلے سمیت غرق ہوا ۔ روزانہ دو دو مرتبہ جوار بھاٹا آیا ہی کرتے تھے ۔ اب ان گنت سالوں سے یعنی جب سے کہ دریائے نیل وجود میں آیا ۔ اس کا پانی سمندر میں داخل ہوتے وقت روزانہ اسی اتار چڑھاؤ کا منظر پیش کرتا رہا ۔ خدا جانے کتنے جانور یا ابتدائی انسان یا ابتدائی ہیئت کے انسان یا بعد کے غیر مہذب خانہ بدوش قبائل، غلط اندازوں یا کم علمی یا لاعلمی کی وجہ سے اس جوار بھاٹا کی نظر ہو گئے ۔ لیکن نہ تو قرآن مجید نے اور نہ ہی کسی اور مذہبی صحیفہ نے اس جوار بھاٹا کے نتیجہ میں مرنے والوں کو عذاب الٰہی کا مورد قرار دیا ۔

پس قانون قدرت بلاشبہ اپنی روش پر جاری و ساری ہے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے ہر مہلک تغیر کو نہ عذاب الٰہی قرار دیا جا سکتا ہے نہ اسلام اس کا دعویدار ہے ۔ ہاں بعض صورتوں میں جن کا قدرے تفصیلی ذکر آگے چل کر کیا جائے گا ۔ یہی مظاہر قدرت مذہبی اصطلاح میں عذاب الٰہی کا نام پا لیتے ہیں اور اپنے ساتھ ایسے شواہد رکھتے ہیں اور ایسے قوی دلائل ان کی تائید میں کھڑے ہوتے ہیں کہ ایک مادہ پرست بھی اگر انصاف سے کام نہ لے تو خود اپنے عقلی معیار کے مطابق بھی یہ ماننے پر مجبور ہو جائے گا ۔ کہ اس معین واقعہ کے وقت جسے مذہب عذاب قرار دیتا ہے ایسے غیر معمولی عوامل ضرور موجود تھے جو بظاہر روز مرہ کے واقعہ کو ایک امتیازی اور استثنائی حیثیت دیتے ہیں ۔ ابھی ہم نے فرعون کے غرق ہونے کا ذکر کیا ہے اسی مثال پر اب ذرا مزید غور فرمائیں ۔ میرا مدعا خوب واضح ہو جائے گا ۔

ایک خاص دلچسپی کی بات جو قرآن کریم کے بیان سے معلوم ہوتی ہے اور قرآن کریم کے سوا کہیں نہیں ملتی وہ یہ ہے کہ غرق ہوتے وقت فرعون نے خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں تو مجھے بچا لے ! تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا :۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ۝

(سورہ یونس : ۹۳)

ترجمہ ۔ پس اب ہم تیرے بدن (کے بقاء) کے ذریعے سے تجھے (ایک جزوی) نجات دیتے ہیں تا کہ جو لوگ تیرے پیچھے آنے والے ہیں ان کے لئے تو ایک نشان ہو ۔

اس بیان کی یہ حیثیت تو صرف دعویٰ کی ہے جو ایک غرق ہوتے ہوئے انسان اور خدا کے درمیان ایک مکالمے کو پیش کر رہا ہے ۔ کہ بظاہر اس کی چھان بین اور صداقت کا جائزہ لینے کے لئے کوئی ذریعہ نہ تو آج کے انسان کے پاس ہے نہ اس وقت کے انسان کے پاس تھا ۔ کیونکہ ایک مرتے ہوئے انسان اور خدا کے درمیان جو باتیں ہوئیں ان کو ان دونوں کے سوا اور کون جان سکتا تھا ۔ جب ہم اس مکالمہ پر غور کرتے ہیں جو ایک دہریہ کے لئے یا مادہ پرست کے لئے مبینہ طور پر خدا تعالیٰ اور فرعون کے مابین ہوا تو قرآن کا دوسرا دعویٰ ہمارے سامنے آ جاتا ہے کہ فرعون کا غرق ہونا کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ مشیت الٰہی کے مطابق موسیٰ کے انکار اور مخالفت اور بغاوت کی سزا کے طور پر پیش آیا ۔ جہاں تک کہ آخری وقت میں خود غرق ہونے والے نے بھی اس بات کو محسوس کیا اور مرنے سے پہلے اس خدا کی طرف رجوع کیا جسے وہ بنو اسرائیل کا خدا قرار دیتا ہے ۔ فرعون کا یہ کہنا کہ

قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

(سورہ یونس : ۹۱)

ترجمہ ۔ میں ایمان لاتا ہوں کہ جس مقتدر ہستی پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں بھی فرمانبرداری اختیار کرنے والوں میں سے ہوتا ہوں ۔

اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ وہ دعا کے وقت اس بات میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہنے دینا چاہتا تھا کہ جس خدا سے وہ مانگ رہا ہے وہ کونسا خدا ہے ۔ چنانچہ بڑی وضاحت سے وہ یہ اظہار کرتا ہے کہ وہ اس خدا سے نجات مانگ رہا ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈوبتے وقت ایسا خوف و ہراس اس پر طاری تھا کہ وہ غیر مبہم الفاظ میں اپنی مکمل شکست کو تسلیم کرنے پر تیار ہو چکا تھا ۔ اور اس شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہنے دینا چاہتا تھا کہ اس میں کوئی انانیت کی رگ باقی ہے ۔ چنانچہ کھلم کھلا شکست تسلیم کر کے اس رب سے مانگتا ہے جس کی بنو اسرائیل عبادت کرتے تھے ۔

بہر حال یہ بات قطعی ہے کہ قرآن کریم کے پیش کردہ اس مکالمہ کے مطابق خود فرعون کو بھی مسلم تھا کہ یہ حادثہ نہیں عذاب الٰہی ہے اور فرعون کی اس التجا کے جواب میں خدا تعالیٰ نے جو جواب دیا وہ ہمارے نقطہ نگاہ سے یعنی اس مسئلہ کے لحاظ سے جس پر ہم بحث کر رہے ہیں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے ۔ یہ جواب محض ایک دعویٰ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ دعویٰ کی صداقت کی تائید میں ایک ایسا ناقابل تردید ثبوت بھی پیش کرتا ہے جو اس مکالمہ کے ایک ایک نقطہ کی صداقت پر گواہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس واقعہ کو جو ہر چند طبعی قوانین کے طابع ظاہر ہوا تھا ایسے لکھو کھہا واقعات سے الگ اور ممتاز کر کے پیش کرتا ہے وہ جواب یہ تھا (اور یہاں ہم ترجمہ کی بجائے تفسیری مفہوم پیش کریں گے) کہ چونکہ تو اپنی روح کی نجات کی خاطر ایمان نہیں لا رہا اور تمام نشانات کو رد کر چکا ہے اور سب مواقع کھو چکا ہے جس سے استفادہ کی صورت میں تیری روح کو نجات مل سکتی تھی ۔ اس لئے آج تیری روح کو نجات دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ اور تجھے اپنے بدن کو بچانے کا خوف لاحق ہے اس لئے ہم تیری اس التجا کو صرف اس رنگ میں قبول کریں گے کہ تیرے بدن کو بچا لیں گے اور تیری لاش کو محفوظ کرنے کا انتظام کریں گے تا کہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے تو ہمیشہ عبرت کا سامان مہیا کرتا رہے اور تیرا بدن دوسروں کی نجات کا موجب ہو سکے ۔ یہ نہایت لطیف جواب محض دعویٰ نہیں اپنی صداقت کا ثبوت خود اپنے ساتھ رکھتا ہے ۔ جس وقت قرآن کریم کے اس مکالمے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو مطلع فرمایا اس وقت تک فرعون کے متعلق یہ نظریہ تو موجود تھا کہ وہ دریائے نیل کے ڈیلٹا میں غرق ہو گیا ۔ لیکن اس کے بدن کی حفاظت اور آئندہ آنے والی نسلوں کی عبرت کا سامان بننے کا کوئی تصور نہ تو کسی مذہبی صحیفہ میں موجود تھا نہ تاریخی کتب میں ۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ اعلان کروایا کہ ہم نے فرعون سے اس کی لاش کے بچانے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ اس رنگ میں محفوظ کی جائے گی کہ بنی نوع کے لئے عبرت کا سامان مہیا کرے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ ایک ایسا دعویٰ تھا جو اگر سچا تھا تو دعویٰ کرنے پر کسی انسان کو قدرت نہ ہو سکتی تھا جب تک خود اللہ تعالیٰ اس کی خبر نہ دے ۔ اس زمانہ میں بھی فرعون کی لاش کا کوئی پتہ نہ تھا اور اگر اس دعویٰ کو انسان کا خود ساختہ دعویٰ قرار دیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسا دعویٰ کرنے والا خود اپنی تکذیب کے سامان فراہم کر رہا ہے جو سراسر عقل کے خلاف بات ہے ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے صحابہؓ سے اس آیت کے نزول کے بارے میں سوال کیا جاتا کہ فرعون کی لاش محفوظ کرنے کی خبر اگر خدا نے دی ہے تو وہ لاش کہاں ہے ؟ ۔ کس طرح محفوظ ہوئی اور کیسے عبرت کا سامان بنی ؟ ۔ تو کوئی صحابی اس کا جواب دینے پر قادر نہ ہوتا ۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی رہنمائی فرماتا ۔ اگر بعد کی نسلوں سے یہی سوال دہرایا جاتا تو سائل ہمیشہ اپنے مخاطب کو گنگ اور لاجواب پاتا ۔ نہ تو پہلی صدی کے مسلمان مخاطب اس کا جواب دے سکتے تھے نہ دوسری صدی کے مسلمان مخاطب ۔ تیسری صدی کے مسلمان بھی اس کے جواب سے لاعلم تھے ۔ چوتھی صدی کے بھی اور پانچویں اور چھٹی صدی کے بھی ۔ یہاں تک کہ چودھویں صدی میں وہ چاند طلوع ہوا جس کے عہد میں مسلمانوں کے غلبہ نو کے سامان فراہم کئے جانے تھے ۔ اس وقت کسی مسلمان محقق نے نہیں بلکہ خود عیسائی محققین نے اس فرعون کی لاش کو محفوظ صورت میں دریافت کر لیا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے غرقابی کی سزا پائی تھی اور آج یہ لاش قرآن کریم کی صداقت پر گواہی دیتی ہوئی اہل بصیرت کے لئے عبرت کا سامان مہیا کر رہی ہے ۔ اور ساتھ ہی قرآن کریم کے پیش کردہ تمام مکالمہ کی صداقت کا اعلان کر رہی ہے جو قرآن کریم نے فرعون کے آخری لمحات کا نقشہ کھینچنے کے لئے ہمارے سامنے پیش کیا ہے ۔

اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ فرعون کا غرق ہونا نیل کے ڈیلٹا میں غرق ہونے والے لکھو کھہا انسانوں سے مختلف حیثیت رکھتا تھا ۔ اس ایک واقعہ کو ہم عذاب الٰہی قرار دیتے ہیں جب کہ ایسے ہی دوسرے لاکھوں واقعات محض حادثات کا نام پاتے ہیں ۔

(۳) مادی تغیرات اور طبعی قوانین کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں جب عذاب کا نام پاتی ہیں تو انکے ساتھ کچھ علامتیں اور کچھ شرائط پائی جاتی ہیں اور یونہی بلاوجہ کسی تبدل و تغیر کو عذاب کا نام نہیں دیا جا سکتا ۔

(۴) ایسے تمام حوادث زمانہ جو مذہبی اصطلاح میں عذاب کا نام پاتے ہیں ان کے نتیجہ میں بعض اہم مقاصد حاصل ہوتے ہیں ۔ جن کا ذکر آئندہ چل کر کیا جائے گا ۔ اس کے برعکس روز مرہ کے حوادث اگرچہ کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور پیدا کرتے ہیں لیکن جن مذہبی مقاصد سے عذاب کا تعلق ہوتا ہے عام حوادث کے نتیجے میں وہ رونما نہیں ہوتے ۔

(۵) قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ قوانین طبعی کے نتیجہ میں جس قسم کے تغیرات بھی رونما ہو سکتے ہیں مختلف اوقات میں ان میں سے ہر ایک تغیر کو عذاب الٰہی کا ذریعہ بنایا گیا اور آئندہ بھی بنایا جا سکتا ہے اس طرح انسانی معاشرہ میں پیدا ہونے والی خرابیوں کے نتیجہ میں یا دیگر عوامل کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والی جنگوں اور فتنہ و فساد کو بھی بعض مخصوص حالات میں عذاب الٰہی کا ذریعہ بنا لیا جاتا ہے ۔

مندرجہ بالا امور کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جماعت احمدیہ عذاب الٰہی کا جو اسلامی فلسفہ پیش کرتی ہے اس کا مادہ پرستوں کے نظریہ سے بالواسطہ کوئی ٹکراؤ نہیں ۔ البتہ فرق یہ ہے کہ دنیا دار مادہ پرست حوادث زمانہ کو طبعی محرکات اور موجبات کا نتیجہ قرار دینے پر ہی اکتفا کرتا ہے جبکہ اسلام اس حد تک اس مادی فلسفہ کی تائید کرنے کے علاوہ یہ زائد بات بیان کرتا ہے ۔ اگرچہ تمام حوادث کی کوئی طبعی وجہ موجود ہے اور خدا تعالیٰ کی منظم تخلیق اور کامل نظام خلق کا تقاضا بھی یہی ہونا چاہئے تھا ۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بسا اوقات اللہ تعالیٰ بلند تر مذہبی مقاصد کے حصول کے لئے انہی طبعی ذرائع کو استعمال کرتا ہے ہم خود اس کے پیدا کردہ ہیں اور اسی کے تابع ہیں ۔ جب ایسا ہو اور حوادث زمانہ کو سزا یا تنبیہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس وقت یہی طبعی قوانین جو نتیجہ ظاہر کرتے ہیں اس کا نام عذاب الٰہی رکھا جاتا ہے ۔ اس کے برعکس قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہے کہ طبعی قوانین کو جیسا کہ بعض اوقات رضائے الٰہی کے خالص اظہار کے لئے ہی مسخر کیا جاتا ہے اور جب بھی ایسا ہو طبعی تغیرات کے نتیجہ میں کسی قوم یا اشخاص کے لئے غیر معمولی فضل اور رحمت کے سامان پیدا ہوتے ہیں ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہاں عذاب الٰہی سے ڈرایا وہاں ایمان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں اور رحمتوں کا وارث بننے کا وعدہ بھی دیا اور اس بات کی ترغیب دی کہ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے قوانین طبعی کو اپنا دشمن بناؤ اس کو راضی کر کے قوانین طبعی کو اپنا غلام اور خدمت گزار بنا لو ۔ سورہ نوح میں اس مضمون کو نہایت لطیف رنگ میں بیان فرمایا گیا ہے ۔ اس سے اسلامی فلسفہ عذاب و ثواب بڑی آسانی سے واضح ہو جاتا ہے ۔ اس امر سے تو ہماری دنیا بخوبی آگاہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے لئے قوم پر بکثرت بارش کو ذریعہ عذاب بنایا گیا لیکن عام طور پر اس حقیقت سے لوگ بے خبر ہیں کہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق یہی بارش رحمت الٰہی کا مظہر بھی بن سکتی تھی ۔ ایک امر تو بہر حال مقدر ہو چکا تھا کہ طبعی قوانین کے نتیجہ میں اس علاقہ میں جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی بکثرت بارشیں برسنے والی تھیں ۔ اس امر کا فیصلہ کہ یہ بارش رحمت کی ہو یا عذاب کی قوم نوحؑ پر چھوڑ دیا گیا ۔ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں ۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝
يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ۝
وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ۝

(سورہ نوح ۔ آیت ۱۱ تا ۱۳)

ترجمہ ۔ میں نے ان سے کہا اپنے رب سے استغفار کرو وہ بڑا بخشنے والا ہے ۔ اگر تم توبہ کرو گے تو برسنے والے بادل کو تمہاری طرف بھیجے گا ۔ اور مالوں اور اولاد سے تمہاری امداد کرے گا ۔ اور تمہارے لئے باغات اگائے گا ۔ اور تمہارے لئے دریا چلائے گا ۔

اب دیکھئے کتنا پر لطف مضمون ہے اور عقل انسانی کے لئے کسی اعتراض کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی ۔ وہی بارش جس کے سامان طبعی قوانین کے نتیجہ میں نامعلوم طویل مدت پہلے سے تیار ہو رہے تھے ۔ وہی بارش عذاب بن کر بھی آ سکتی تھی اور انعام بن کر بھی ۔ اگر انعام بن کر آتی تو اس کے نتیجہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے قول کے مطابق جو یقیناً وحی الٰہی تھا اس طرح وقفے وقفے کے ساتھ برستی کہ سیلاب لانے کی بجائے فیض رساں نہریں بہا دیتی اور اس کے نتیجہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے اموال غیر معمولی برکت پاتے اور ان کے نفوس میں بھی برکت پڑتی ۔ لیکن افسوس کہ انکار نے اس پانی کو کیسے عذاب کے پانی میں تبدیل کر دیا کہ خطہ ارض کے کونے کونے میں طوفان نوح ایک مثل بن چکا ہے ۔

پانی کا ذکر چل پڑا ہے اس لئے ایک دفعہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں پانی سے جو دو مختلف خدمات لی گئیں ان کا بیان بھی یہاں بے محل نہ ہو گا ۔ ایک بات تو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ کس طرح پانی کو عذاب الٰہی کے طور پر استعمال کیا گیا اور فرعون اور اس کی قوم کو اس نتیجہ میں ہلاک کر دیا گیا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق میں ہی پانی کے رحمت بننے کی ایک عملی مثال بھی موجود ہے جس پانی نے فرعون اور اس کے لشکر کو بے شمار وسائل کے باوجود مغلوب کر دیا وہ پانی جب رحمت بنا تو ایک دودھ پیتے بچے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک کمزور لکڑی کے صندوق میں اپنی لہروں پر بہائے ہوئے خطرے کی جگہ سے امن کے مقام کی طرف لے گیا اور ہلاکت کی بجائے نجات کا موجب بنا ۔ اب دیکھ لیجئے کہ بظاہر دونوں واقعات طبعی محرکات کا نتیجہ تھے لیکن وہ بچہ جس نے بعد ازاں بڑے ہو کر نبوت کا دعویٰ کرنا تھا اور خدا کے ایک عظیم الشان پیغمبر کے طور پر دنیا میں ظاہر ہونا تھا اس کو تو انتہائی کمزوری، ناطاقتی اور کم مائیگی کے باوجود پانی ہلاک کرنے کی قدرت نہیں پا سکتا ۔ لیکن اس کے عظیم الشان اور دنیاوی لحاظ سے انتہائی طاقتور دشمن کو اپنے قوی وسائل کے باوجود خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے ۔ اہل بصیرت کے لئے اس میں فکر و تدبر کے سامان موجود ہیں ۔

کیا ہفتہ وار "الفضل انٹرنیشنل" لندن آپ کو باقاعدہ مل رہا ہے؟ اور کیا آپ اس کا مطالعہ کر رہے ہیں؟ اگر نہیں تو آج ہی حسب ذیل پتہ پر رابطہ کر کے اسے اپنے نام لگوالیں

اخبار کا سالانہ چندہ
برائے برطانیہ = ۲۵ پاؤنڈ
برائے یورپ = ۲۷ پاؤنڈ
برائے امریکہ، کینیڈا و دیگر ممالک = ۳۶ پاؤنڈ

رابطہ کے لئے پتہ:
16 Gressenhall Rd.,
London SW18 5QL,
U.K.
فون: ۰۹۱۹-۸۷۰-۰۸۱
فیکس: ۰۹۱۹-۸۷۰-۰۸۱

جماعت احمدیہ خدمت خلق کے میدان میں

بوزنین پناہ گزینوں کے لئے امدادی قافلہ

خدام الاحمدیہ یوکے کی سرگرمیاں

(رپورٹ. محمد رفیع الدین - سیکرٹری خدمت خلق، خدام الاحمدیہ، یوکے)

اوائل دسمبر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے صدر خدام الاحمدیہ یوکے احمد یحیٰ صاحب کو بلایا کہ بعض اطلاعات کے مطابق ہنگری، یوگوسلاوین بارڈر پر بے شمار بوزنین پناہ گزین کیمپ میں انتہائی کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اور یو این او کے نمائندے یا دیگر امدادی ادارے ان کی صحیح طریق سے دیکھ بھال نہیں کر رہے۔ حضور انور نے فرمایا کہ موسم بھی اب انتہائی سرد ہو چکا ہے اس لئے فوری طور پر ان کی مدد کا بھی انتظام کیا جائے اور دو یا تین اقساط میں ۱۰ ٹرک کے لگ بھگ اشیائے خودنی، کمبل، گرم کپڑے وغیرہ وہاں پہنچائے جائیں۔ اس وقت خدام الاحمدیہ، زاغریب کی طرف امدادی سامان بھجوانے کے لئے دو ٹرکوں کا انتظام کرنے میں مصروف تھی۔ حضور انور ایدہ اللہ کا پیغام ملتے ہی انہوں نے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا اور خدام، لجنہ، انصار اور اطفال کی مدد سے چند دنوں میں چار ٹرکوں میں یہ امدادی قافلہ روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔ ان ٹرکوں پر کل ایک لاکھ آٹھ ہزار سات سو چھپن پونڈ کا مالیتی سامان تقریباً ۱۶ ٹن لادا گیا تھا۔ سفر کے تمام انتظامات کی تفصیل طے ہو گئی تھی۔ طے یہ پایا کہ فوری طور پر تین ٹرک ہنگری بارڈر کے لئے اور ایک ٹرک زاغریب پہنچایا جائے۔ یاد رہے کہ زاغریب میں خدام الاحمدیہ جرمنی کے بوزنین سیل کی طرف سے خدام خود جا کر پناہ گزین کیمپوں میں امدادی سامان تقسیم کرتے ہیں۔

جس کمپنی سے ٹرک کرایہ پر لئے گئے انہوں نے بوزنیا کے لئے امدادی سامان کی وجہ سے کرایہ میں تخفیف کر دی اس طرح پی اینڈ او فیری نے بھی کرایہ میں کمی کر دی۔ سامان میں زیادہ تر کمبل، ادویہ، اشیائے خوردنی اور پہننے والے گرم کپڑے تھے۔ کل اکتیس ہزار اشیاء اکٹھی کی گئیں جن کو ڈبوں میں بند کر کے ٹرکوں پر لادا گیا تھا۔ اس طرح چار ٹرک اور ایک کار پر مشتمل یہ قافلہ دعاؤں کے ساتھ صبح ۵ بجے لندن سے جرمنی کے لئے روانہ ہوا۔ صبح کا ناشتہ جلنگھم کے قریب موٹروے سروسز پر کیا گیا۔ فیری کا وقت صبح گیارہ بجے تھا مگر قافلہ پونے گیارہ بجے ہی بندرگاہ پہنچ گیا۔ بدقسمتی سے بندرگاہ کے عملہ نے سامان کی جانچ پڑتال میں اتنی دیر کر دی کہ جہاز پر سوار نہ ہو سکے۔ دوسرا جہاز اس راستہ پر سہ پہر ساڑھے چار بجے تھا۔ اگر اس پر سوار ہوتے تو آگے پہنچ کر کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس لئے متبادل راستہ اختیار کیا گیا اور انگلستان کے ساحل سے ساڑھے بارہ بجے دوپہر چل کر فرانس کی بندرگاہ کیلے پہنچ گئے۔ اگرچہ قافلہ کے دو ممبران کے پاس فرانس کا ویزہ نہیں تھا تاہم ڈوور کی بندرگاہ کے مینیجر کے تعاون سے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی اور قافلہ کیلے سے بلجیم کے راستہ جرمنی کی سرحد تک پہنچ گیا۔ رستے میں ایک ٹرک قافلہ سے بچھڑ گیا جس کی وجہ سے کافی پریشانی ہوئی مگر ادھر ادھر فون کرنے پر معلوم ہوا کہ ٹرک بلجیم میں خراب ہونے کی وجہ سے رک گیا ہے لہذا پروگرام میں تبدیلی کرنا پڑی اور قافلے کو جرمنی بلجیم بارڈر پر واقع آخن شہر میں رات کے لئے رکنا پڑا۔ رہائش کا انتظام لوکل جماعت کے صدر مکرم سمیع صاحب نے اپنے گھر پر کیا۔ اگلے دن صبح دس بجے قافلہ میونخ کے لئے روانہ ہو گیا۔ اور بخیر و عافیت رات ڈیڑھ بجے میونخ میں جماعت کے مرکز پہنچ گیا۔ راستہ میں فرینکفورٹ کے قریب صدر صاحب خدام الاحمدیہ جرمنی اور ممبران عاملہ قافلہ کا استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ قافلہ کے ممبران نے ان کے ساتھ موٹروے سروسز پر کھانا کھایا۔

میونخ میں صدر جماعت احمدیہ مکرم مظفر گوندل صاحب اپنی جماعت کے خدام، انصار اور اطفال سمیت موجود تھے جنہوں نے ٹرکوں سے سامان اتار کر محفوظ کر لیا کیونکہ یہاں سے ہنگری بارڈر تک یہ سامان خدام الاحمدیہ جرمنی کے بوزنین سیل کی ٹیم کی زیر نگرانی جانا تھا۔

ایک ٹرک جو زاغریب کی طرف جانا تھا اس کو بھی فی الحال فرینکفورٹ میں روک لیا گیا اور سامان اتار لیا گیا کیونکہ جرمنی کے احمدیہ بوزنین سیل کی رپورٹ کے مطابق کروشیا میں انتہائی ناموافق حالات کی وجہ سے زاغریب تک جانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ اس لئے سامان ان کی نگرانی میں چھوڑ دیا گیا جہاں سے جرمنی جماعت کے بوزنین سیل کی زیر نگرانی چند ہی دنوں میں یہ سامان منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قافلہ کے ممبران مندرجہ ذیل تھے:۔

سید احمد یحییٰ، محمد رفیع الدین، کلیم وسیم، غلام ربانی، راشد کمال، اختر امینی، فرحان چوہدری، ظہیر بٹ، خالد جمال، طاہر حیات، نذیر بادل، اکرم احمدی، عمران رشید اور نوید احمد۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس سفر میں پاکستان کے مایہ ناز شاعر جناب عبید اللہ علیم بھی شریک تھے۔

بریڈفورڈ کی ٹیم ٹرک میں سامان رکھنے کے بعد

بوزنیا جانے والے امدادی سامان کے ٹرکوں کا قافلہ

امدادی سامان سے بھرا ہوا ایک ٹرک

میونخ میں سامان اتارا جارہا ہے

قافلہ کے ممبران واپس آنے پر حضور ایدہ اللہ کے ساتھ

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴ جنوری ۱۹۹۴ء بمقام مسجد فضل لندن

تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت کی:

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۷﴾

(الزخرف. آیت ۳۷)

ذکر الٰہی پر جو خطبات کا سلسلہ جاری ہے اس سلسلے کی یہ کڑی ہے جس کے آغاز میں میں نے چند ایسی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جن کا تعلق ذکر نہ کرنے والوں سے ہے اور اس کے بعد پھر میں حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ذکر کے آغاز کے متعلق چند احادیث آپ کے سامنے رکھوں گا۔

آج کے اجتماعات کے سلسلے میں ایک اعلان ہے جو میں اس سے پہلے کرنا چاہتا ہوں۔ ضلع میرپور آزاد کشمیر کا پانچواں جلسہ سالانہ آج منعقد ہو رہا ہے اور امیر صاحب ضلع کی درخواست ہے کہ ہمیں تمام دنیا کی جماعتیں خصوصیت سے یاد رکھیں۔

ذکر نہ کرنے والا گھاٹے میں ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسی جگہ بیٹھا جس میں اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا اس پر اللہ کی طرف سے حسرت ہوگی اور جو کوئی اس حال میں لیٹا کہ اس میں وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا اس پر اللہ کی طرف سے حسرت اور گھاٹا ہے اور جو کوئی تم میں سے کچھ چلا اور وہ اس میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا اس پر اللہ کی طرف سے حسرت اور گھاٹا ہے۔

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کا برعکس بعینہ حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر صادق آتا ہے کیونکہ آپکی زندگی کا ایک لمحہ بھی گھاٹے والا نہیں تھا۔ پس جب آپ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی جگہ بیٹھا جہاں ذکر نہیں کیا اس کے لئے گھاٹا ہے اور حسرت ہے تو یہ خیال ایک ذکر کرنے والے ہی کو آسکتا ہے۔ جب آپ فرماتے ہیں کہ جو چلا اور اس نے ذکر نہ کیا اس کے لئے گھاٹا ہے تو یہ خیال بھی ایک ذکر کرنے والے ہی کو آسکتا ہے۔ جس نے یہ کہا کہ وہ شخص جو اس حال میں لیٹا کہ اس نے ذکر نہیں کیا یہ خیال بھی صرف ذکر کرنے والے کو ہی آسکتا ہے ورنہ ہم میں سے کتنے ہیں جو اٹھتے بھی ہیں بیٹھتے بھی ہیں چلتے بھی ہیں سوتے بھی ہیں اور کتنا ہی اٹھنا بیٹھنا اور چلنا اور سونا ذکر سے خالی ہوتا ہے۔ پس وہ گھاٹے کا سودا جس کا اس میں ذکر ہے آج اس دنیا پر اس کا اطلاق ایسے ہو رہا ہے جیسے کبھی پہلے نہیں ہوا تھا چنانچہ قرآن کریم نے جو گواہی دی ہے

وَالْعَصْرِ ﴿۲﴾

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿۳﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اس میں جو گھاٹے والا زمانہ بتایا گیا ہے حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے فرمان سے یہ مسئلہ حل ہوا کہ کس چیز کا گھاٹا ہے کہ دنیا چلتے ہوئے بھی خدا کو بھولے رہتی ہے بیٹھتے ہوئے بھی اس کو بھولتی ہے اٹھتے ہوئے بھی بھولتی ہے سوتے ہوئے بھی۔ سوتے جاگتے ہر حالت میں خدا کو بھولے ہوئے ہے صرف ایک ایسا موقع ہے جب دنیا کو خدا یاد آتا ہے یعنی جب مصائب انسان کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ جب آفات سماوی اس پر آپڑتی ہیں جب طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ صرف وہ وقت ہے جس وقت انسان اللہ کو یاد کرتا ہے مگر ایسا یاد کرنا بے کار ہے کیونکہ وہ یاد خالصتاً نفس کی یاد ہے اللہ کی نہیں۔ حقیقت میں نام تو اللہ کا لیا جا رہا ہے لیکن اپنے نفس کی محبت نے مجبور کیا ہے اللہ کی محبت کے حوالے سے نفس یاد نہیں رہتا بلکہ نفس کے حوالے سے اللہ یاد آتا ہے اور ان دونوں مضمونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے پس ہمیں یہ دعا کرنی چاہئے کہ ہم ان بدنصیبوں میں سے نہ ہوں جن کے متعلق حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے خبر دی کہ جو ذکر الٰہی کے بغیر جیتے ہیں انکی ساری زندگی گھاٹے کی زندگی ہے۔

قرآن کریم نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۷﴾

کہ جو شخص اللہ کے ذکر سے احتراز کرتا ہے اس کے لئے ہم ایک شیطان کو مقرر کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے اب زمانے کے حالات کو اس حدیث کی روشنی میں دوبارہ دیکھیں تو یہ مسئلہ سمجھ آتا ہے کہ حقیقت میں کوئی انسان خلا میں نہیں رہ سکتا۔ جب اللہ کے ذکر سے دل خالی ہو تو اس دل پر ضرور شیطان قبضہ کرتا ہے اور شیطان اس وقت دنیا کا ساتھی بن جاتا ہے جب دنیا ذکر سے خالی ہو جاتی ہے۔ تو ساری دنیا میں جو آفات اور مصائب پھیلے پڑے ہیں حقیقت میں یہ ذکر الٰہی کے فقدان کے نتیجے میں ہیں اگر ذکر الٰہی ہو تو شیطان کو وہاں قدم رکھنے کی مجال نہیں ہے، اجازت نہیں ہے۔ پس ہر قسم کی آفات سے بچنے کے لئے ہمیں ذکر الٰہی کو زندہ کرنا ہے اور پہلے اپنی ذات میں اس ذکر کو زندہ کرنا ہو گا اپنے دل کو ذکر سے معمور کرنا ہو گا پھر اس ذکر کو عام کرنا ہو گا کیونکہ ذکر کے لفظ میں اگرچہ خاموش یاد بھی شامل ہے لیکن حقیقت میں اس میں آواز دے کر یاد کرنے کا مضمون زیادہ غالب ہے کیونکہ اس کے ذریعے دنیا کو نصیحت ہوتی ہے اسی لئے ذکر کے معنی نصیحت کے بھی ہیں۔ آباؤ اجداد کی اچھی باتیں فخر سے یاد کرنے کو بھی ذکر کہتے ہیں دل میں خاموشی سے بھی اللہ کو یاد کرنے کو ذکر کہا جاتا ہے مگر زیادہ تر ذکر کے ساتھ اونچی آواز میں یاد کرنا سمجھا جاتا ہے اور یہ اس مضمون میں داخل ہے۔

جماعت کو نصیحت

پس میں جماعت کو یہ نصیحت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اکثر دل میں ذکر تو کرتے ہی ہوں گے کہ احمدی ذکر سے خالی نہیں ہیں مگر اپنی مجالس کو ذکر سے سجائیں۔ اپنے گھروں میں، اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اور کھانوں کے اوقات میں مہمانوں کی آمد پر مجلسوں کے دوران ضرور ذکر کیا کریں کیونکہ ذکر کے نتیجے میں آپ کی مجالس کو تقدس حاصل ہو گا۔ آپ کی مجالس اگر ذکر سے خالی ہوں گی تو کسی نہ کسی حد تک شیطان ان میں ضرور دخل دے گا۔ پس ہماری عورتوں میں جتنی بھی چغلی کرنے کی عادت ہے۔ اکٹھی بیٹھیں تو کسی اور بہن کی برائیاں شروع ہو جاتی ہیں اور بعض علاقے ہیں وہاں مردوں کی بھی ایسی عادت ہے ان کی اس عادت پر یہی مضمون صادق آتا ہے کہ جہاں ذکر نہیں ہو گا وہاں شیطان مقرر کر دیا جائے گا وہ اپنے تذکرے چھیڑ دیتا ہے اور یہ ساری لغو باتیں ذکر کے فقدان سے ہوتی ہیں اگر ذکر ہو تو اس میں مزاح کا موقع بھی موجود ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ ذکر کے وقت ناممکن ہے کہ انسان ہنس سکے۔ اگر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے ذکر سیکھا ہے تو آپ کی زندگی پر غور کر کے دیکھیں آپ اسی ذکر کی حالت میں ہنستے بھی تو تھے۔ لطائف بھی چلتے تھے۔ مگر ایک فرق تھا جو آپ کے لطائف اور باقی لطائف میں تھا۔ آپ کا لطیفہ کبھی کسی کو دکھ نہیں دیتا تھا۔ آپ کے لطیفے میں کوئی تحقیر کا پہلو نہیں تھا بلکہ محبت غالب رہتی تھی پیار کے ساتھ ہنستے تھے اور پیار کے ساتھ ہنساتے تھے، پس اس پہلو سے اگر آپ ذکر کے مضمون کو سمجھیں تو ذکر کسی ایسی حالت کا نام نہیں جس میں آپ روزمرہ زندگی کے مشاغل میں حصہ نہ لے سکیں جیسا کہ میں آگے جا کے بیان کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی زندگی کے مشاغل کے ساتھ ساتھ ذکر چلتا تھا۔ اس کے لئے کوئی الگ بیٹھ کر، ایک طرف ہو کر، خدا کو یاد کرنے کے لئے وقت نکالنے کی ضرورت نہیں۔ وہ زندگی کے ہر لمحے میں ساتھ ساتھ رہتا تھا اور یہی وہ ذکر کا طریق ہے جسے آج ہمیں اپنانا ہو گا اور سب دنیا کو سکھانا ہو گا۔

ذکر کا طریق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

«قال: قال رسول اللهﷺ مَا مِن قَومٍ يَقُومُونَ مِن مَجلِسٍ لا يذكُرُون اللّٰهَ فِيه اِلاَّ قامُوا عن مِثل جِيفَةِ حِمارٍ وَكَانَ عليهِمْ حَسرةً

ابو داؤد کتاب الاداب سے یہ حدیث لی گئی ہے۔ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی قوم یا کوئی گروہ ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں وہ اللہ کا ذکر نہ کرے تو گویا گدھے کی لاش پر بیٹھے ہیں ان پر حسرت ہے۔ اب گدھے کی لاش پر بیٹھنے کا مضمون بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ فی الحقیقت انسان، انسان ہی کی لاشوں پر بیٹھا کرتا ہے اور جانور، جانوروں کی لاشوں پر اکٹھے ہوتے ہیں۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ اگر ایک گدھا مر جائے تو گدھے اس کو آ کے سونگھتے ہیں اس کے گرد چکر لگاتے ہیں اور ایک دفعہ میں نے گھوڑی کے بچے کو مرے ہوئے دیکھا کہ صرف اس کی ماں ہی نہیں دوسرے گھوڑے بھی قریب آتے تھے اور اس کو سونگھتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ اسی طرح جنگلوں میں اپنے ہم جنسوں کی لاشوں پر ہم جنس اکٹھے ہو جاتے ہیں تو حقیقت میں حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا یہ پیغام ہے کہ تم گدھے ہو جو ایسی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے ہو جہاں خدا کا ذکر نہیں کیونکہ گدھے کی لاش پر اکٹھے ہونے والے گدھے ہی ہو سکتے ہیں۔ پس کیسی بے وقوفی کا عالم ہے کہ تم بیٹھے ایسی باتیں کرتے ہو جن کا کوئی مقصد نہیں۔ کوئی ان کا فائدہ نہیں ہے۔ کسی سے نقصان کو بچانے کا کوئی قصہ نہیں۔ خالصتاً حماقت سے اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ مجلسوں میں لطف بھی اٹھانا ہوں تو ذکر الٰہی سے لطف اٹھایا جا سکتا ہے اور بعض دفعہ ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ دنیا کے کسی اور لطف میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ انسان کو جھرجھری آجاتی ہیں۔ ذکر سے اس قدر لذت پیدا ہوتی ہے کہ سارا بدن کانپ اٹھتا ہے اس لئے یہ خیال کہ ذکر بوریت کا دوسرا نام ہے یہ بالکل بےہودہ خیال ہے۔ جہالت کی بات ہے۔ ذکر میں لطف ہے کیونکہ ذکر کا مضمون محبت سے تعلق رکھتا ہے اور محبت اگر کسی سے ہو جائے تو وہ محبوب چاہے کیسا ہی برا کیوں نہ ہو دنیا کی نظر میں انسان کو اس کے ذکر میں بڑا لطف آ رہا ہوتا ہے کیونکہ انسان کو اپنا محبوب ضرور حسین معلوم ہوتا ہے اور دنیا کی نظر میں خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اپنے محبوب کے ذکر سے ایک انسان لطف اٹھاتا ہے۔

ایک دفعہ ایک بادشاہ نے اس مضمون کو ثابت کرنے کے لئے کہ کس طرح ہر انسان اپنے تعلق سے کسی کو حسین پاتا ہے کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے ایک حبشن کو بلایا جس کا بیٹا بہت ہی سیاہ اور بہت بدصورت بھی تھا اور بھی لوگوں کے بچے وہاں اکٹھے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے اس حبشن کو بلایا اور کہا کہ یہ قیمتی ہار ہے تم غور سے دیکھو جو سب سے زیادہ پیارا بچہ ہے اس کی گردن میں ڈال دو۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر جائزہ لیا اور اپنے بچے کی طرف بڑھی اور اسکی گردن میں ڈال دیا۔ جھوٹ نہیں بولا تھا۔ بادشاہ کی تمکنت کے سامنے اس کو جرات بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ بادشاہ کی ہیبت تھی لیکن دل کی گواہی تھی۔ سب سے زیادہ پیارا بچہ اسے اپنا بچہ دکھائی دیا۔ محبت اور ذکر کا ایک گہرا تعلق ہے۔ اس کے بغیر ذکر ہو نہیں سکتا۔ پس اگر محبت سے ذکر کیا جائے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ذکر لطف سے خالی ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر تو سب ذکروں سے زیادہ حسین ہے۔ سب سے زیادہ دلکش ہے۔ پس ذکر کے مضمون کو فرض کے طور پر ادا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ہو بھی نہیں سکے گا۔ فرض کے طور پر کبھی محبتیں ادا نہیں کی جاتیں۔ اسکے لئے دل میں محبت پیدا کرنی ہوگی۔ پس ذکر سے پہلے ذکر کی تیاری بھی تو چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے پیار پیدا کرنے کے ذریعے تلاش کریں اور اس میں ایک ذریعہ یہ ہے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو محبت عطا فرمائے۔ آنکھیں کھول کر روزمرہ یہ محسوس کرنے کی کوشش کریں کہ آپ کیوں کسی سے محبت کرتے ہیں اس مضمون پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی محبت کے تمام محرکات آپ کو اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے دکھائی دیں گے۔ آپ ان محرکات میں گھرے ہوئے ہیں صرف آنکھیں نہیں کھولتے۔ انسان کسی سے کیوں محبت کرتا ہے؟ ماں نے پیدا کیا ہے اور نو مہینے پالا ہے اور اپنی صفات میں سے کچھ بخشی ہیں اس کے نتیجے میں طبعاً ایک بچے کو ماں سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ خالق وہ ہے جس نے ارب ہا ارب سال سے انسان کی پیدائش کی تیاری کی ہے اور ہر لمحے جو کائنات ارتقاء کی طرف مائل تھی اس کا ہر لمحے ہر قدم انسان کی طرف اٹھ رہا تھا کیونکہ بالآخر انسان پیدا کرنا مقصود تھا اور جو تغیرات اس عرصے میں ہوئے ہیں تمام تر انسان کی پیدائش کی خاطر ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی آخری سورتوں کی تفسیر میں یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ کوئی بھی کائنات میں ایسی تاثیر نہیں ہے جس سے انسان کو حصہ نہ دیا گیا ہو گویا کہ یہ ایک مختصر کائنات ہے اور اسکی تیاری کے سلسلے میں اگر آپ کائنات کے ارتقاء پر نظر دوڑائیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ناممکن ہے کہ اس مضمون کا کوئی احاطہ کر سکے اس مضمون میں جتنا بھی سفر کریں جتنی بھی سیر کریں آپ کی زندگی گذر جائے آپ کی نسلوں کی گذر جائے۔ قیامت تک یہ کرتے چلے جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کی اس شان کا جو تخلیق کائنات میں مضمر ہے احاطہ نہیں ہو سکتا اور جو محض اس لئے خدا تعالیٰ نے ان مخلوقات کو عطا فرمائی۔ ان کے ہر ذرے میں رکھی کہ بالآخر اس سے انسان پیدا ہوگا اور انسان کیسا پیدا ہوا جو خدا کو بھلا بیٹھا، تکبر کی باتیں کرنے لگا۔ پس اگر آپ ذکر سے محروم ہیں تو بہت ہی بڑا نقصان کا سودا ہے۔ پس اپنے گردوپیش دیکھیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایک ایک بات پر غور کریں کہ آپ کو کسی سے کیوں تعلق ہے۔ حسن سے تعلق ہے اور حسن کا سرچشمہ اللہ ہے۔ ہر چیز جو حسین دکھائی دیتی ہے اس میں خدا کا چہرہ دکھائی دیتا ہے اگر دیکھنے والی آنکھ ہو۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خم دار کا

کہ ہر وہ آنکھ جس میں حسن کی مستی ہے وہ ہمیں تو تجھے ہی دکھا رہی ہے اور آنکھ کا دکھانا کتنا خوبصورت مضمون ہے جس آنکھ کو آپ دیکھ رہے ہیں اگر آپ میں بصیرت ہو تو اس آنکھ سے جس کسی اور کو دیکھیں گے وہ خدا کی ذات ہے

ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خم دار کا

گیسو کا ہاتھ یوں معلوم ہوتا ہے اشارے کر رہا ہے۔ اس کا آخری کونہ اس طرح اٹھا ہوا ہوتا ہے جیسے انگلی اشارہ کر رہی ہو۔ تو فرمایا تیری ہی طرف ہر بل کھائے ہوئے خوب صورت گیسو کا ہاتھ ہے۔ اس میں ہمیں تو ہی دکھائی دیتا ہے۔ اگر محبت ہو تو محبت کے نتیجے میں ہر چیز اسی محبوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہے اور اگر محبت نہ ہو تو اشارے سمجھنے کی عقل تو پیدا کریں۔ اشارے سمجھنے کی کوشش تو کریں وہ آنکھ تو لیں جس سے یہ اشارے سمجھے جائیں گے۔

خدا تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا کریں

پس خدا تعالیٰ کی محبت کو دل میں پیدا کرنے کے لئے ضرور ہے کہ ہم اپنے ماحول، اپنے گردوپیش پر اس پہلو سے نظر ڈالیں کہ ہم کیوں کسی سے محبت کرتے ہیں اور اس محبت کے محرکات خدا کے تعلق میں موجود ہیں کہ نہیں۔ کوئی ایک پہلو ایسا نہیں ہے جو محبت پیدا کرنے والا ہو اور اللہ کی ذات میں موجود نہ ہو۔ ہر لذت خدا کی ذات میں ہے بعض لوگ یہ سوچتے ہیں اور اس سوچ سے ڈرتے ہیں کہ شہوانی لذات بھی تو لذات ہیں وہ تو اللہ میں نہیں ہیں لیکن شہوانی لذات کی حقیقت یہ ہے کہ محبت کے نتیجے میں وہ چیزیں پیدا ہوئی ہیں جن سے شہوانی لذت پیدا ہوتی ہے اگرچہ محرک شہوانی لذت نہیں تھا آغاز میں اصل محرک جس سے انسان نے نشوونما پا کر وہ اعضاء حاصل کئے جن سے شہوانی لذت حاصل کی جاتی ہے وہ اپنے نفس کی محبت تھی اس محبت نے انسان کو باقی رہنے کی تمنا دی اور بقا کی تمنا پوری کرنے کے لئے جو ذرائع میسر آئے ان میں اسی نسبت سے مزہ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ یہ ایک بہت لمبا فلسفہ ہے جس کی تفصیلی بحث میں میں نہیں جا سکتا لیکن اشارۃً میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ کوئی دنیا کی لذت نہیں ہے جو آپ کو اپنے مضمرات کے لحاظ سے خواہ بھیانک ہی کیوں نہ دکھائی دے جس کا اصل، جس کی کنہ، پاکیزہ محبت نہ ہو اور محبت ہی سے ساری کائنات کا سلسلہ ہے اسی سے سب نشوونما ہے اسی سے ارتقاء جاری ہے کوئی ایک بھی پہلو ارتقاء کا ایسا نہیں ہے جسے بالآخر آپ محبت میں جا کر مرکوز نہ کر سکیں۔ میں نے اس پہلو سے ایک دفعہ بہت غور کیا اور بچپن سے مجھے یہ شوق تھا کہ اس پہلو پر غور کروں کہ آخر ہمارا کنہ ہے کیا؟ بالآخر کہاں پہنچتے ہیں؟ تو وہیں پہنچا جہاں سے قرآن شریف کی سورۃ البقرہ شروع ہوتی ہے یعنی

انا اللہ اعلم

انا یعنی میں۔ جس نے سارے وجودوں کو پیدا کیا ہے اور اگر اللہ اپنی انا سے اپنی مخلوق کو یہ نعمت عطا نہ کرتا کہ وہ اپنے شعور کا احساس کر لے تو اس مخلوق میں بھی انا پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ خدا کی انا نے ہماری انائیں پیدا کی ہیں لیکن یہ انائیں اس لئے پیدا کیں کہ اللہ کی انا کی

طرف بالآخر لوٹ جائیں کیونکہ وہی تمام انا کا منبع بھی ہے اور مرجع بھی ہے۔ اس سمندر میں ہمارے قطرے کو لوٹنا ہے اس کے بغیر ہماری انا کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی اور یہ مضمون محبت کا ہے۔ اپنے نفس کی محبت اتنا ترقی کرے کہ اس محبت کے اعلیٰ تقاضے پورے ہونے شروع ہوں تب خدا ملتا ہے اور ہر محبت کے نتیجے میں ایک لذت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی لئے فرماتے ہیں "ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں" صرف لذات نہیں فرمایا "اعلیٰ لذات" کہ ہر لذت کا ارتقاء ہوا کرتا ہے اور اس ارتقاء کا منتہی خدا تعالیٰ کی ذات پہ ختم ہوتا ہے اور اسی کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔ پس اپنی آنکھیں کھولیں اپنے گرد و پیش کو دیکھیں اور معلوم کریں، غور کریں کہ آپ کیوں محبت کرتے ہیں۔ ان محبتوں کے تمام تر محرکات اپنی اعلیٰ صورت میں اللہ کے وجود کے ساتھ آپ متعلق پائیں گے اور پھر آپ کو سمجھ آئے گی۔ سلیقہ نصیب ہو گا کہ کس طرح اللہ کی محبت حاصل کی جاتی ہے۔ جب ایک دفعہ یہ محبت نصیب ہو جائے تو پھر آپ کی لذتوں کی کیفیات کے پیمانے بدل جائیں گے۔ اور طرح طرح کی لذتیں آپ کو نصیب ہونی شروع ہوں گی۔ ہر چیز سے ایک مادی لذت بھی ہو گی اور ایک اس کا اعلیٰ اور بر تر حصہ جو اس محبت کے ساتھ منسلک ہو گا لیکن اس سے ارفع ہو گا اس سے بلند تر ہو گا۔

پس خدا کے بندے دو لذتوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور سورہ رحمٰن میں جن دو جنتوں کا ذکر ہے میں سمجھتا ہوں ان میں سے دو جنتیں اس دنیا کی وہ دو جنتیں بھی ہیں جن میں ہر لذت کے ساتھ ایک اعلیٰ لذت بھی وابستہ ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ اس نیت سے دو کہ اللہ کو یہ بات پسند ہے۔ اللہ تم سے حسن سلوک کی توقع رکھتا ہے اور تمہیں حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے تو وہ لقمہ تمہاری عبادت بن جائے گا۔

اب اس حدیث کی روشنی میں حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی ساری زندگی کے تعلقات کو دوبارہ دیکھیں تو ہر تعلق میں آپ کو دو لذتیں دکھائی دیں گی۔ ایک وہ جو خدا کی پاک تعلیم کے نتیجے میں اس کی محبت کی بناء پر، آپ نے بنی نوع انسان سے تعلق رکھا۔ اس تعلق کی ایک اپنی لذت تھی جو آپ نے حاصل کی لیکن چونکہ اس محبت کا آغاز اللہ کی محبت سے ہوا تھا اسی لئے اس کے ساتھ ایک بہت اعلیٰ درجے کی محبت بھی شامل رہی اور ساری زندگی آپ نے دو جنتوں میں گذاری۔ پس ذکر کا مضمون سرسری بیان سے سمجھ نہیں آسکتا اس کے لئے ساری زندگی کی محنت کی ضرورت ہے آنکھیں کھول کر تجربے کی ضرورت ہے۔ اس مضمون میں ڈوب کر آپ خود کچھ حاصل کریں۔ آنکھیں کھول کر گرد و پیش کو دیکھیں اور پھر کچھ لذتیں حاصل کرنا شروع کریں۔ پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ ذکر ہوتا کیا ہے اور ذکر پھر آپ کو خود بڑی قوت سے اپنی طرف کھینچ لے گا اور ذکر کے بغیر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے دنیا کے گھاٹے فائدوں میں تبدیل نہیں ہوسکتے۔ آپ جو چاہیں کرلیں، جو چاہے تعلیم دے دیں، جس قسم کا چاہیں نظام دنیا میں نافذ کرلیں، عدل بھی قائم کرلیں تب بھی دنیا کو جنت نصیب نہیں ہو سکتی جب تک اللہ کے ذکر کا سلیقہ اور شعور حاصل نہ ہو جائے اور اللہ کے ذکر سے لذت حاصل کرنا دنیا نہ سیکھ لے ورنہ تو وہی بات ہے کہ گدھے کی لاش پر بیٹھے ہم نے زندگیاں بسر کر دیں۔

ذکر سے زندگی ملتی ہے

بخاری کتاب الدعوات میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا "ذکر الٰہی کرنے والے اور ذکر الٰہی نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے" یعنی جو ذکر الٰہی کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔

مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا "وہ گھر جن میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور وہ گھر جن میں خدا تعالیٰ کا ذکر نہیں ہوتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے"۔ ذکر سے زندگی ملتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو جو زندگی عطا ہوئی ہے یہ دراصل ایک روحانی زندگی حاصل کرنے کی خاطر ہے۔ اس کا ذریعہ ہے اور اگر دوسری زندگی عطا نہ ہو تو بظاہر زندہ ہوتے ہوئے بھی انسان مردہ ہے۔ قرآن کریم جس خلق آخر کا ذکر کرتا ہے یہ وہی روحانی خلق آخر ہے جس سے ایک نئی زندگی انسان کو نصیب ہوتی ہے اور وہ شخص جو خدا کے ذکر کے بغیر اپنی زندگی گذار دیتا ہے بظاہر زندہ ہے مگر حقیقت میں مردہ ہے کیونکہ اصل زندگی خدا کی خاطر دی گئی تھی تاکہ اس زندگی سے خدا نصیب ہو اور خدا نصیب ہو تو ایک نئی زندگی عطا ہو اسی لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ان لوگوں کو بلاتے ہیں جو آپ پر ایمان لائے تو اللہ فرماتا ہے کہ اس لئے ان کو بلا، تاکہ انہیں زندہ کر۔ اب ایمان لے آئے ہیں تو زندہ کیوں نہیں ہیں ایمان لانے کے بعد زندگی حاصل کرنے کا ایک دور شروع ہوتا ہے جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ آغاز میں جنم لیتا ہے زندہ تو ہوجاتا ہے لیکن محض زندگی کا آغاز ہے اور اس کے بعد پھر سارے مراحل اس زندگی کی تکمیل کے مراحل ہیں اور حقیقی زندگی پھر اس وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ اپنے آزاد وجود کے ساتھ، خودمختار وجود کے ساتھ ماں کے پیٹ سے باہر آجاتا ہے تو یہی مضمون خلق آخر کا ہے اور تبھی حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا کہ اے مومنو! جب یہ رسول تمہیں اپنی طرف بلائے تو جواب دیا کرو "لما یحییکم" تاکہ تمہیں زندہ کرے۔ پس زندگی وہی ہے جو ذکر الٰہی کی زندگی ہے اور جو اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہنے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔

جو ذکر سے خالی ہے وہ اللہ سے دور ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ذکر الٰہی کے اور اس چیز کے جو ذکر سے متعلق ہے جس کا تعلق ذکر سے ہے مثلاً عالم جو ذکر الٰہی کرنے والا ہو اور طالب علم جو عالم سے ذکر الٰہی سیکھتا ہو وہ ملعون نہیں ہیں۔ یہاں ملعون کا جو لغوی معنی ہے وہ پیش نظر ہے۔ لعنت دوری کو کہتے ہیں۔ پس جو شخص خدا کے قریب آنا چاہتا ہے وہ ذکر سے قریب آسکتا ہے ورنہ وہ دوری کی حالت میں پڑا ہوا ہے وہ تمام دنیا جو ذکر سے خالی دنیا ہے وہ اللہ سے دور ہے اور ان معنوں میں ملعون ہے۔ ہاں وہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں وہ جو سکھاتے ہیں اور سیکھتے ہیں ان کے متعلق فرمایا کہ یہ استثناء ہیں۔

شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ ام سلمہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے پوچھا آپ کونسی دعا ہے جو بار بار کرتے ہیں جو کثرت سے دعا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا "اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثبات عطا فرما"۔ یہ دعا میں بہت کثرت سے کرتا ہوں کہ "اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثبات عطا فرما"۔ حضرت ام سلمہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپؐ یہ دعا کرتے ہیں جن کا دل سب سے زیادہ اللہ کے دین پر ثبات حاصل کرچکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی انکساری کا یہ معراج ہے کہ آپ جواب میں فرماتے ہیں کہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ دل تو اللہ کی انگلیوں میں اس طرح ہیں کہ جب چاہے جدھر چاہے بدل دے۔ وہ مالک ہے اگر خدا یہ فیصلہ نہ کرے کہ مجھے ثبات عطا کرے گا تو مجھے کیسے ثبات ہوسکتا ہے۔ پس وہ لوگ جو ذکر کرتے ہیں بعض دفعہ اس ذکر کے نتیجے میں متکبر ہوجاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں ہم خدا والے ہوگئے ہیں اور باقی دنیا کو یعنی سب کو حقیر اپنے سے نیچے دیکھ رہے ہوتے ہیں یہ بہت بڑی جہالت ہے۔ ذکر نے سب سے زیادہ رفعت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو بخشی تھی کیونکہ آپ کا ذکر سب سے زیادہ رفیع الشان تھا اور سب سے زیادہ گرنے کے خوف میں آپ ہی مبتلا تھے یہ خوف کسی حقیقی خطرے کے نتیجے میں نہیں تھا کیونکہ آپ خدا کی طرف سے امن یافتہ تھے اس لئے اس خوف کا محرک ایک مختلف محرک ہے۔ یہ بہت ہی لطیف ہے اور بہت ہی حسین ہے۔ تمام تر ضمانتوں کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بارہا عطا فرمائیں یہ احساس کہ میری ذات میں کچھ بھی نہیں جو وہ مجھے ان ضمانتوں کا حقدار قرار دے۔ محض اللہ کا فضل ہے۔ محض اسکی طرف سے ثبات نصیب ہوتا ہے جب وہ چاہے چھوڑ دے۔ میرا کیا شکوہ ہوسکتا ہے۔ سب کچھ اسی کی عطا ہے یہ انتہائی لطیف احساس جو محبت کے آخری نقطے سے آغاز پاتا ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے یہ وہ احساس ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ملتا ہے کہ میں کیوں نہ کروں۔ میں کیوں اپنے رب سے ثبات نہ مانگوں اسی کی عطا ہے جو کچھ نصیب ہوا ہے اور جب چاہے بدل دے مجھے کوئی شکوہ نہیں ہوسکتا۔ میرا کوئی حق نہیں۔ پس اگر ذکر الٰہی کرنا ہے اور اس سے کچھ مناصب حاصل کرنے ہیں تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے ان باتوں کا سلیقہ سیکھیں۔ ذکر کے نتیجے میں انانیت اونچی نہیں ہونی چاہئے۔ ذکر کے نتیجے میں سر اور بھی خدا کے حضور جھکنا چاہئے اور جتنی بلندی حاصل کریں اتنا ہی گرنے کا خوف آپ کو دامن گیر رہے اور اللہ کے ہاتھ

سے اور زیادہ شدت کے ساتھ اور قوت کے ساتھ چمٹے رہیں۔ یہی وہ اسلوب تھا جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اختیار فرمایا اور جس کی ہمیں نصیحت کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا ذکر الٰہی کرنے کا طریق

اب وہ لوگ جو ذکر سے اجتناب کرتے ہیں اور شیطان کے ساتھی بن جاتے ہیں ان کا اٹھنا بیٹھنا سب ہمارے علم میں ہماری نظر میں ہے۔ بارہا ہم ان تجربوں سے گذرے ہیں۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ذکر پر میں اس مضمون کو ختم کروں گا آپؐ کی کیفیت یہ تھی کہ جب حاجات بشری کے تقاضے پورے کرنے کے لئے جاتے تھے تو اس وقت بھی ذکر کرتے تھے اور یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے میرے اللہ مجھے ناپاکی سے اور ناپاکوں سے بچانا۔ میں ناپاکی سے اور ناپاکوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ پھر جب فراغت کے بعد وضو کرتے تھے تو پھر بھی ذکر الٰہی سے وضو کا آغاز ہوتا تھا۔ عرض کرتے تھے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِی مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

کہ اے میرے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنانا اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں میں سے بنانا۔ جو وضو ہے یہ توبہ اور پاکیزگی دونوں کا مظہر ہے اور اس دعا میں وضو کا فلسفہ بیان ہو گیا۔ پھر انسان صبح اٹھتا ہے، فارغ ہوتا ہے، وضو کرتا ہے، مسجد کی طرف جاتا ہے تو جو صبح مسجد کی طرف جانے کی دعا تھی اس کا مضمون اور تھا اور روزمرہ عام مختلف وقتوں میں جانے کی دعا تھی اس کا ایک اور مضمون ہے۔ اس مضمون کا صبح سے تعلق ہے چنانچہ آپؐ مسجد کی طرف صبح جاتے ہوئے یہ دعا کیا کرتے تھے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِی قَلْبِی نُوْرًا وَاجْعَلْ فِی لِسَانِی نُوْرًا وَاجْعَلْ فِی سَمْعِی نُوْرًا وَاجْعَلْ فِی بَصَرِی نُوْرًا۔

کہ اے میرے اللہ میرے دل کو نور بھر دے میری زبان کو نور عطا کر میرے کانوں کو نور بخش اور میری نظروں کو، میری آنکھوں کو نور عطا کر۔

وَاجْعَلْ مِنْ خَلْفِی نُوْرًا وَاجْعَلْ مِنْ اَمَامِی نُوْرًا وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِی نُوْرًا وَاجْعَلْ مِنْ تَحْتِی نُوْرًا۔ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِی نُوْرًا۔

کہ اے میرے اللہ میرے آگے بھی نور کر دے میرے پیچھے بھی نور کر دے میرے اوپر بھی نور کر دے۔ میرے نیچے بھی نور کر دے۔ تو مجھے مجسم نور بنا دے۔ مجھے نور عطا کر۔

رات کے اندھیروں سے صبح روشنی میں داخل ہوتے وقت کیسی پیاری دعا ہے لیکن مسجد جاتے وقت یہ دعا کرنا بتاتا ہے کہ مومن کا دل مسجد میں ہے۔ مسجد سے باہر اندھیرے ہیں۔ پس جو اپنا نور سجدہ گاہوں میں ڈھونڈے، جس کو روشنی وہاں دکھائی دے، وہی دل اور وہی دماغ ہے جو اس دعا کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے ورنہ ناممکن ہے کہ کسی کو ایسی دعا کا خیال آئے۔ ساری دنیا کے پردے پر عبادت کرنے والوں کی زندگیوں کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں، پہلوں کا بھی اور اگلوں کا بھی۔ آپ کو کہیں اس دعا کی کوئی مثال دکھائی نہیں دے گی۔ صبح کے تعلق میں یہ دعا کتنی کامل ہے اور پھر صبح کی روشنی میں دن کی ظاہری روشنی سے مسجد کی باطنی روشنی کی طرف منتقل ہوتے وقت کتنا اعلیٰ اور کتنا ارفع مضمون بیان فرمایا گیا ہے اور کوئی عارف باللہ اس مرتبے تک نہیں پہنچا جس مرتبے تک تمام عارفوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پہنچے تھے۔ پس میں آپ کا مقابلہ دنیا کے عام انسانوں سے کرنے کا تو سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ تو گستاخی ہو گی۔ نبیوں کی مثال دے کر کہتا ہوں ان میں تلاش کر کے دیکھ لیں آپ کو اس حدیث کی کوئی مثال دکھائی نہیں دے گی۔ کتنا پاکیزہ کتنا ارفع کلام ہے۔ کتنا فصیح و بلیغ ہے کہ صبح اٹھتے ہیں اور نور کے خیال سے جب مسجد جاتے ہیں تو یہ دعا کرتے ہیں اور اگر مسجدوں سے آپ نے تعلق قائم رکھا تو یقین کریں کہ آپ کی آنکھوں کو بھی نور عطا ہو گا آپ کی زبان کو بھی نور عطا ہو گا۔ آپ کے کانوں کو بھی نور عطا ہو گا۔ آپ کے آگے بھی نور ہو گا اور پیچھے بھی اور دائیں بھی اور بائیں بھی اور اوپر بھی اور نیچے بھی اور آپ مجسم نور بن جائیں گے کیونکہ تمام نور مساجد سے اور سجدہ گاہوں سے حاصل ہوا کرتے ہیں پس اپنی مسجدوں کو آباد رکھیں انہیں میں آپ کے دلوں کی آبادی ہے۔ انہیں میں آپ کے مستقبل کی حفاظت ہے۔ آپ کے بچوں کے لئے کوئی ایسی دولت نہیں جو آپ پیچھے چھوڑ کر جا سکیں سوائے اس کے کہ آپ انہیں مسجدوں سے وابستہ کر دیں۔ نماز کے بعد فارغ ہو کر آپ یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

اور بھی دعائیں تھیں ایک یہ بھی تھی اور اکثر نماز کے معاً بعد یہی پڑھا کرتے تھے

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ

اے اللہ تو سلام ہے وَمِنْكَ السَّلَامُ اور تجھ سے سلام ہے۔ اے جلال اور اکرام کے مالک تیری ذات بہت بابرکت ہے۔ اب سلام نماز میں بھی ہم پھیرتے ہیں۔ نماز کے بعد سب سے پہلی دعا یہ ہوا کرتی تھی۔ پھر ہم دائیں طرف کہتے ہیں اسلام علیکم ورحمۃ اللہ پھر بائیں طرف اسلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہیں۔ تو یہ دو سلام جو ہیں یہ اہل دنیا کو اپنے دائیں اور بائیں اور اپنے گردوپیش پیغام پہنچاتے ہیں کہ ہم تمہارے لئے سلامتی کا پیغام لائے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اس دعا نے بتایا کہ اللہ سلام ہے۔ اللہ سے سلام پانے کے بعد آپ دوسروں کو سلام کہہ سکتے ہیں اس کے بغیر نہیں۔ وَمِنْكَ السَّلَامُ اور تجھ ہی سے سلام نصیب ہو سکتا ہے۔ پس وہ لوگ جو عبادت سے غافل ہیں وہ دنیا میں ہزار سلام کرتے پھریں ان کے سلام کا کوئی بھی معنی نہیں۔ محض جھوٹ ہے۔ کیونکہ دنیا سوائے اللہ والوں کے کسی سے امن میں نہیں ہے یہ محض واہمہ ہے۔ یہ خیال کر لینا کہ انسان کسی بے خدا انسان سے امن میں رہ سکتا ہے حماقت ہے۔ امن اللہ سے نصیب ہوتا ہے اور یہ ایسا امن ہے جو نصیب ہونے کے بعد دوسروں کو عطا ہوتا ہے اور آگے اس کے سلسلے چلتے ہیں۔ پس السلام علیکم کی کیسی حکمت ہمیں سمجھا دی کہ جب تم نماز سے سلام کہہ کر فارغ ہو تو پھر سوچا کرو۔ غور کیا کرو کہ تم سلام کے مجاز خدا کی طرف سے بنائے گئے ہو۔ اللہ کے پاس آئے تھے تو سلام نصیب ہوا اور اللہ کے ساتھ رہو گے تو سلام نصیب رہے گا جب تعلق توڑو گے سلام تجھ سے خالی ہو جائے گا۔ کیونکہ خدا کی ذات کے سوا کہیں اور کوئی سلام کا وجود نہیں

مسجد میں عام حالت میں داخل ہونے کی دعا یہ تھی

بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

کہ میں اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔ والصلوٰۃ والسلام اور درود اور سلام اس کے رسول پر ہوں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ میرے اللہ میرے گناہ بخش دے وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

اور میرے لئے اپنی رحمت کے باب کھول دے۔ پھر مسجد سے باہر نکلنے کی دعا انہی الفاظ میں تھی صرف ایک چھوٹے فرق کے ساتھ

بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ

اللہ کے نام کے ساتھ تمام درود و سلام ہوں اللہ کے رسول پر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ میرے اللہ میرے گناہ بخش دے۔ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ اور میرے لئے اپنے فضلوں کے دروازے کھول دے۔

یہ جو لفظ رحمت اور فضل کا فرق ہے اس میں بڑی وجہ یہ ہے کہ رحمت خالصتاً اللہ سے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس کا ہمارے اکتساب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رحمت بن مانگے دینے والا عطا کرتا ہے۔ رحمٰن رحیم خدا سے اترتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں رحمت کا بنیادی مضمون یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ خدا سے حاصل ہوتی ہے اس کا روزمرہ کی زندگی کی محنتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ فضل خدا کی طرف سے ملتا ہے لیکن روزمرہ کی زندگی کی محنتوں سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ سورۃ جمعہ میں جمعہ کے بعد جب انتشار کا حکم فرمایا

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

کہ تم پھر آزادی کے ساتھ زمین میں پھرو اور فضل کماؤ تو فضل کا دنیا کی کمائیوں سے ایک تعلق ہے اور دنیا کی دولت جو پاک حالت میں کمائی جائے اسکو بھی فضل کہتے ہیں۔

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

اللہ سے وہ فضل بھی چاہتے ہیں اور اسکی رضا بھی چاہتے ہیں تو اندر جاتے وقت خالص رحمت ہی ہے جو کچھ اس در سے ملے گا آسمان سے اترے گا اور بطور رحمت آپ پر نازل ہو گا جب باہر نکلیں گے تو اللہ سے فضل چاہیں گے یعنی ہمارے کاموں میں برکت ملے

ہمارے رزق میں برکت ملے۔ جو ہمیں نصیب ہو بافراغت ہو اور پاکیزہ ہو۔ تجھ سے پانے والے ہوں شیطان سے پانے والے نہ ہوں۔

پھر گھر میں داخل ہوتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے۔

اللّٰهُمَّ اِنّی اَسْأَلُكَ خَيْرَ المَوْلِجِ وَخَيْرَ المَخْرِجِ. بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكلنا

اے میرے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں خَيْرَ المَوْلِجِ بہترین داخل ہونا خَيْرَ المَخْرِجِ اور بہترین نکلنا یعنی اس گھر میں بہترین طریق پر داخل ہوں، خیر کے ساتھ بھلائی کے ساتھ داخل ہوں اور بھلائی کے ساتھ نکلوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعلى اللّٰهِ رَبِّنا توكلنا

اللہ ہی کے نام کے ساتھ ہم داخل ہوتے ہیں اور اسی پر جو ہمارا رب ہے ہم توکل کرتے ہیں۔ پھر گھر سے باہر نکلتے وقت بھی خدا یاد آتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ذکر کا طریق

کوئی زندگی کا ایسا مشغلہ نہیں، کوئی ایک زندگی کی حرکت ایسی نہیں جو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف ہو جس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ذکر سے خالی ہوں۔ تبھی اللہ نے آپ کو "ذکراً رسولا" فرمایا کہ یہ تو رسول وہ ہے جو مجسم ذکر ہے اس میں اور ذکر میں کوئی فرق نہیں رہا۔ محمد اور ذکر ایک ہی چیز کے دو نام بن گئے ہیں۔ ہر کیفیت سے ہر دوسری کیفیت میں داخل ہوتے وقت ذکر الٰہی جاری رہتا تھا۔ ہر موسم میں ذکر۔ بارش کا قطرہ آسمان سے اترتا دیکھتے تھے تو اللہ کو یاد کرتے ہوئے اپنی زبان آگے بڑھا دیا کرتے تھے کہ اللہ کی رحمت کا یہ قطرہ میری زبان پر پڑے۔ اتنی محبت تھی۔ ایسا عشق تھا کہ کفار مکہ اپنی تمام تر دشمنیوں کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ

عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّهُ

اس کی جو کچھ برائیاں بیان کرو مگر ایک بات سچی ہے کہ محمد اپنے رب کا عاشق ہو گیا ہے۔ عاشق کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں کہ یہ تکلیفیں برداشت کرسکے۔ عاشق کے سوا کسی کو یہ توفیق نصیب ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ خدا کی راہ میں وہ دکھ برداشت کرے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ساری زندگی اللہ کی راہ میں برداشت کئے ہیں۔ پس یہ آپ کی کیفیت تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں گھر سے نکلتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔

بسم الله توكلت على الله ولا حول ولا قوّة الا بالله.
اَللّٰهُمَّ اِنّی اَعُوذُ بِكَ أَنْ اَضِلَّ او أُضَلَّ او أَظْلَمَ أَو أَجْهِلَ أو يُجهَل عَلَيَّ

کہ بسم اللہ اللہ کے نام کے ساتھ توکلت علی اللہ میں اللہ پر توکل کرتا ہوں یعنی گھر سے باہر انسان جب نکلتا ہے۔ اپنی زندگی میں سب سے زیادہ امن کی جگہ تو انسان اپنے گھر کو پاتا ہے تو گھر سے باہر نکلنا گویا کئی قسم کے خطرات کو دعوت دینا ہے اس لئے پہلا تصور جو ذہن میں آتا ہے وہ توکل کا ہے۔ کس سہارے سے میں نکل رہا ہوں۔ غیروں سے میرے رابطے ہوں گے۔ گھر کا امن میرے ساتھ ساتھ تو نہیں چل سکتا تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو سب سے پہلے اللہ کا خیال آتا تھا کہ اللہ کے توکل پر جارہا ہوں وہ تو ہر جگہ میرے ساتھ ہے گھر تو ساتھ نہیں چل سکتا مگر اللہ تو ہمیشہ ساتھ رہنے والا ہے۔

بسم اللہ توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ

کوئی "حول" نہیں اور کوئی "قوۃ" نہیں الا باللہ۔

"حول" کہتے ہیں خطرات سے بچانے کی قوت کو یعنی اللہ کے حوالے سے جب حول کہا جاتا ہے تو مراد یہ ہے کہ ہر قسم کے خطرے سے بچانے کی قوت اللہ کے پاس ہے۔ ولا قوۃ۔ "قوۃ" مثبت معنوں میں کہ ہر چیز عطا کرنے کی طاقت بھی اللہ کو نصیب ہے۔ پس کسی شر سے ہم بچ نہیں سکتے مگر اللہ کی طاقت سے۔ کسی خیر کو ہم پا نہیں سکتے مگر اللہ کی طاقت سے۔ اللھم انی اعوذ بِكَ اَنْ اَضِلَّ یہ کہنے کے بعد جب ایک ہی پناہ گاہ ہے ہر چیز سے وہی پناہ کی جگہ ہے تو عرض کرتے ہیں اے میرے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں کئی قسم کے ٹھوکر کے مقامات راستے میں آتے ہیں۔ انسان کو کئی قسم کے ایسے فتنے درپیش ہوتے ہیں جن میں دل پھسل جاتے ہیں انسان گناہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور پھر کئی قسم کی ٹھوکریں کھاتا ہے اور پھر باہر نکل کر رستہ ڈھونڈنے کا مضمون تو ایک طبعی مضمون ہے جو ذہن میں آنا چاہئے۔ حقیقت میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا کلام، کلام اللہ کے بعد سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے یعنی ایک ہی لفظ میں دونوں باتیں اور برمحل ان باتوں کا بیان ہے۔ باہر نکلتے ہیں تو ہم رستہ بھی بھول سکتے ہیں۔ مسافر کہیں سے بھٹک کر، کہیں اور چلے جائیں بعض دفعہ گھر کا رستہ بھی نہیں ملتا۔ فرمایا اے میرے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں راستہ بھول جاؤں یا بھلا دیا جاؤں لیکن یہاں اول طور پر پیش نظر دین کا رستہ ہے اور دین کی باتیں ہیں کہ میں تیری راہ بھول جاؤں یا مجھے تیری راہ سے بھٹکا دیا جائے

یا میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے

یا میں کسی پر جہالت کروں یا مجھ پر کوئی جہالت کی جائے۔

ہم نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ کتنے ہیں جنہیں کپڑا پہنتے وقت خدا یاد آتا ہو۔ کپڑا پہنتے وقت ہم نے تو لوگوں کو یہ دیکھا ہے کہ Selfridges یاد آتا ہے یا دوسرے سٹور یاد آجاتے ہیں کہ ہم نے وہاں سے لیا اور وہاں سے لیا۔ سیل سے لیا یا بغیر سیل کے لیا۔ کیسی ہوشیاریاں اختیار کیں کتنے پیسے بچائے یہی باتیں سنتے ہیں لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کپڑا پہنتے ہیں تو عرض کرتے ہیں

اللّٰهم لَكَ الحمدُ كما كَسَوتنيه

اے میرے اللہ سب حمد تیرے لئے ہے کیونکہ تو نے مجھے یہ پہنایا ہے مجھ میں کب طاقت تھی کہ میں اپنے لئے کچھ لباس حاصل کرسکتا کچھ پہن لیتا ہر عطا تیری عطا ہے پس ایک بھی زندگی کا ایسا لمحہ نہیں جہاں آخری قدرت والے خدا کو یاد نہیں کیا جاتا اس کے بظاہر سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچتے پہنچتے مظہر اول اور اس ذات کو بھلا دیتے ہیں جس سے تمام مذاہب نکلتے ہیں رب تو اللہ ہے لیکن یہ ربوبیت مختلف ذرائع سے ہم تک پہنچتی ہے کبھی ماں باپ کے ذریعے کبھی اپنے مالکوں کے ذریعے کبھی دوستوں کے ذریعے۔ کبھی اتفاق میں راہ چلتے بھی دولتیں نصیب ہو جاتی ہیں مگر یہ وہ آخری چہرہ ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں ہماری نظریں ان چہروں پر کھڑی ہو جاتی ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نظر ان تمام چہروں سے پاک جیسے ان کا کوئی وجود نہ ہو اس آخری ہاتھ پر پڑتی ہے جو اول ہاتھ ہے جو اللہ کا ہاتھ ہے اس کے سوا اور کوئی ہاتھ نہیں ہے دینے والا تو فرماتے ہیں

اللّٰهُم لَكَ الحمدُ كَمَا كَسَوتَنِيه

اے میرے اللہ تیرے ہی لئے سب حمد ہے جو تو نے مجھے یہ لباس پہنایا ہے۔

پھر آئینہ دیکھتے تھے تو دعا کرتے تھے

اللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنتَ خَلقِي فَاحسِنْ خُلقِي

اے میرے اللہ جیسے تو نے میرا چہرہ خوبصورت بنایا ہے ویسے ہی میرا اندرونہ بھی پاکیزہ کر۔ خوبصورت بنادے میرے اخلاق کو خوبصورت کردے۔ اب یہ وہ ایک موقع ہے جس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ظاہری چہرے کی ایک جھلک ہمیں دکھائی دینے لگتی ہے ورنہ اتنے منکسر مزاج تھے کہ انسان سوچ نہیں سکتا کہ اپنے حسن کی بات کریں لیکن سچے بھی اتنے زیادہ تھے یہ مشکل تھی اپنے خدا کی حمد بیان کرنی تھی وہاں تو سچ بولنا ہی بولنا تھا چاہے اس سے شرمندگی ہی ہوتی تو اللہ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں میں نے چہرہ دیکھا ہے بہت خوبصورت ہے میں تیرا بےحد ممنون ہوں اتنا پیارا چہرہ تو نے مجھے عطا کیا پس میرے خلق کو بھی ایسا ہی بنادے۔

وحَرِّمْ وَجهى عَلَى النَّارِ

اور میرے چہرے کو آگ پر حرام کردے۔ یہاں ایک نیا انداز بیان ہے یہ نہیں فرمایا کہ آگ کو میرے چہرے پر حرام کردے بلکہ فرمایا کہ میرا چہرہ آگ پر حرام کردے۔ آگ کو اجازت نہ ہو کہ اس چہرے کو جلائے بہت ہی زیادہ عظیم الشان کلام ہے۔ بہت قوت والا کلام ہے۔ کہیں آگ ہو کوئی آگ ہو لیکن اسے مجال نہ ہو کہ وہ میرے چہرے کو جلاسکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک دفعہ اسی طرح کا الہام ہوا تھا کہ:

"آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے"

تو یہ وہی مضمون ہے کہ آگ کو اجازت نہ ہو کہ وہ مجھے جلاسکے۔

الحمد لله الّذى سَوّى خَلقِي بہت ہی قابل تعریف ہے وہ ذات جس نے میری تخلیق

کو میرے وجود کو مناسب بنایا وَأَحْسَنَ صُورَتِی اور میری صورت کو بھی ایسا خوبصورت بنایا مِتّی مَا شَانَ مِن غَیرِی اور جو کچھ غیروں کو نصیب نہیں ہوسکا حسن کی صورت میں جو ان کے ہاں بد صورتی ہے وہ میرے ہاں تو نے حسن رکھ دیا یعنی ہر وہ عضو جہاں کسی بھی قسم کی غیر بد صورتی کا حامل ہے وہاں وہی میرا عضو حسین تر ہے یہ جو کلام ہے بہت گہرائی کا کلام ہے اصدق الصادقین کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا تمام وجود سرتاپا حسین تھا ورنہ دعا کے وقت یہ کلام آپ نہیں کہہ سکتے تھے جس کے مقابل پر ہر دوسرے میں کہیں نہ کہیں کوئی بدی دکھائی جائے گی مگر یہ وجود ہر سقم ہر کمزوری سے پاک تھا۔

الحَمد للّٰهِ الذی سَوّی خَلقِی فَاَعدَلَهٗ وَصَوَّرَ صُورة وَجهی فَأَحسَنَهَا

"الحمدللہ الذی" تمام حمد اللہ ہی کے لئے ہے سوّیٰ خَلقِیْ جس نے میری تخلیق کو موزوں بنایا صوّر صورۃ وجہی اور میرے چہرے کی شکل کو میرے چہرے کے وجود کو خدو خال کو بہت ہی متناسب کر دیا یعنی اتنا متوازن ہے کہ کوئی ایک بھی اس کا خدو خال میں سے کوئی ایک حصہ بھی دوسرے سے ٹکراتا نہیں بلکہ اس سے ہم آہنگ ہوا ہوا ہے اور اسے پھر بہت ہی خوبصورت بنایا ہے۔ فاَحسَنھَا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے مسلمانوں میں سے بنایا۔

نیا پھل کھانے کی بھی آپ دعا کیا کرتے تھے۔ بازار میں داخل ہونے کی بھی دعا کیا کرتے تھے غصے اور طیش سے بچنے کی بھی دعا کیا کرتے تھے۔ بیمار کو دیکھتے تھے تو اس وقت بھی یاد اللہ ہی آتا تھا پس حقیقت یہ ہے کہ تمام دنیا میں جہاں جہاں بھی آثار دکھائی دیتے تھے وہ سب اللہ ہی کے آثار تھے۔ پس وہ مضمون جو امرءالقیس کا میں نے بیان کیا تھا وہ یہ تھا کہ قِفا نبکِ مِن ذِکریٰ حبیبٍ ومَنزِلِ

بسقط اللوی بین الدّخول فحوملِ

کہ اے میرے دو ساتھیو! ٹھہرو ہم اس محبوب کے ذکر سے کچھ رولیں جس کی منزل پر ہم یہاں ٹھہرے ہیں اور اسکی منزل کے ذکر سے رولیں اس منزل کے نشان تو مٹتے چلے جارہے تھے اور دن بدن مٹتے مٹتے آخر وہ کلیۃً صفحہ ہستی سے نابود ہوگئے مگر خدا کے حسن کے آثار کبھی مٹنے والے نہیں یہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور یہی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے اپنے آثار کا حال ہے۔

دیوان حسان بن ثابت سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ذکر پر میں یہ شعر آپکے سامنے رکھتا ہوں اس سے آپ اندازہ کریں کہ آپ کے عشاق کا کیا حال تھا جب ان آثار کو دیکھتے تھے جو محمد رسول اللہؐ کے آثار تھے جس طرح اللہ کے آثار دیکھتے ہوئے محمد رسول اللہؐ کے دل کی کیفیت ہوتی تھی ویسے ہی آپ کے عشاق کی کیفیت آپ کے آثار دیکھ کر ہوتی تھی وہ کہتے ہیں۔

کہ اے میرے دوستو! یثرب میں مجھ پر ایک بڑی مشکل رات آئی وہ مدینہ جس میں میرا محبوب رہا کرتا تھا اور ساری رات جگائے رکھنے والے غم نے مجھے آپکڑا جب کہ سارے لوگ گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

وہ یاد کیا تھی یہ ایک ایسے پیارے وجود کا غم تھا جس نے میرے آنسو بہا دیئے اور اس رونے کا سبب میرے پیارے کی یاد تھی۔ پھر ایک اور قصیدے میں عرض کرتے ہیں

کہ طیبہ یعنی مدینے میں میرے محبوب کے روشن آثار ہیں حالانکہ آثار تو مٹ جایا کرتے ہیں مگر میرے محبوب کے آثار وہ نہیں ہیں جو مٹ جائیں وہ ہمیشہ روشن سے روشن تر ہوتے چلے جائیں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اس حرمت والے گھر کی آیات و نشانات نہیں مٹتے جس میں نبی ہادی کا مبارک منبر ہے جس پر آپ رونق افروز ہوا کرتے تھے اور واضح اور روشن نشانات ہیں اور باقی ماندہ آثار ہیں آپ کا گھر ہے جس میں آپ کی مسجد تھی وہاں ایسے کمرے ہیں جن کے درمیان خدا تعالیٰ کی طرف سے نور نازل ہوتا تھا جس سے روشنی حاصل کی جاسکتی تھی وہاں ایسے آثار ہیں جو بظاہر اگرچہ کچھ بوسیدہ ہوگئے مگر ان میں موجود روشن نشانات نہیں مٹے بلکہ مسلسل نکھرتے چلے جارہے ہیں وہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی یادگاریں دیکھیں اور آپ کی وہ قبر دیکھی جس میں لحد بنانے والے نے آپ کو مٹی میں چھپا دیا۔

پس سب سے زیادہ ذکر کرنے والا وجود جو کائنات میں کبھی پیدا ہوا جو اپنے رب کی یاد میں مجسم یاد بن گیا وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تھے اور خود آپ مجسم ذکر بن گئے اور وہ تمام صفات حسنہ خدا سے آپ نے پالیں جو ذکر کو ابدیت بخشتی ہیں جو ذکر کو ہمیشہ کے لئے زندہ کرتی ہیں پس صَلّوا علیہ وسلّموا تسلیما اے تمام لوگو جو اللہ کے ذکر کی توفیق پاتے ہو اس ذکر کے ساتھ سب سے بڑے ذکر کرنے والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو بھی یاد کر لیا کرو۔ وَ سبحوہُ بُکرۃً وَّ اصیلاً اور صبح بھی اس پر درود بھیجا کرو اور رات کو بھی درود بھیجا کرو۔

سات سمندر گونج اٹھے

اک منظر ہر سو پھیل گیا تکبیروں سے گھر گونج اٹھے
وہ حمد و ثنا کی لہر چلی کہ سات سمندر گونج اٹھے

اب پیارے آقا کی باتیں دو چار نہیں سو بار سنو
بازار سماعت گرم ہوا، آواز کے گوہر گونج اٹھے

عرفان کے اڑتے بادل کی آنکھوں میں پیاسے صحرا ہیں
پیاسوں کو جشن منانے دو، امید کے ساگر گونج اٹھے

خاموشی سے ہر ظلم سہا، دل خون ہوا، کچھ بھی نہ کہا
اور دی جو صدائے مستانہ راہوں کے پتھر گونج اٹھے

میں ذکر الٰہی کے صدقے، میں عشق محمدؐ پر قرباں
باطن سے خوشبو پھوٹ بہی روحوں کے جوہر گونج اٹھے

(محمد جلیل الرحمٰن جمیل، ھالینڈ)

MUSLIM TELEVISION AHMADIYYA

PROGRAMME TIMINGS

ASIA AND MIDDLE EAST
7.00 am to 7.00 pm [London, U.K.]

EUROPE
Monday to Thursday 1:30 pm to 4 pm
Friday to Sunday 1.00 pm to 4 pm

TELEPHONE AND FAX NUMBERS FOR INFORMATION COMMENTS OR MESSAGE

Tel: + 44 - 81 - 870 0922 Fax: + 44 - 81 - 871 0684

LIVE TRANSMISSION FROM UNITED KINGDOM

Tilawat Manzoom Kalam Malfoozat

VARIETY OF PROGRAMMES INCLUDING

Majlis Irfan Speeches

Hazur replying to letters and messages of viewers

Satellite	EUTELSAT II F3	STATSIONAR 21	STATSIONAR 4	GALAXY 2
Area	Europe, North Africa	Asian, Middle East, Eastern Europe, East Africa Regions	South America, Africa and European Regions	North America, Canada
Position	16° East	103° East	14° West	74° West
Transponder	37	7 (C-Band)	9 (C-Band)	11
Frequency	11.575 GHz	3725 MHz	3825 MHz	36 MHz
Polarity	Vertical	Right Hand circular	Right Hand circular	Horizontal
Format	625 Lines PAL Colour	625 Lines PAL Colour	625 Lines PAL Colour	NTSC
Audio Sub-Carriers				
Urdu	6.5 MHz	6.5 MHz	6.5 MHz	6.2 MHz
English	7.02 MHz	7.02 MHz	7.02 MHz	
Arabic	7.20 MHz	7.20 MHz	7.20 MHz	
French	7.92 MHz	7.92 MHz	7.92 MHz	
Timings (London Time)	13.30 - 16.00	10.00 - 16.00	13.30 - 14.30	13.30 - 14.30

Radio = Short Wave Band Radio, 25 Meter Band, Digital Frequency 11695.
Timings: 13.30 - 14.30 London Time

پروفیسر راجہ نصراللہ خان

"م-ش" کی بے لاگ تحریریں

ملک کے نامور اور ممتاز صحافی اور سچے محب وطن جناب "م-ش" بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

تحریک پاکستان کے سرگرم رکن اور قائد اعظم اور علامہ اقبال کے شیدائی تھے۔ اور اعلیٰ اخلاق کے مالک جیسا کہ "لاہور" کے مدیر محترم نے اپنے اداریے میں تحریر فرمایا ہے ان کا دل دماغ اور قلم (تینوں) ہر قسم کی تعصب کی آلائش سے پاک تھے....اور وہ ہر جماعت گروہ اور طبقے کے رہنماؤں کی تعظیم و تکریم کو اسلامی اخلاق کا جزو اہم سمجھتے تھے۔

(لاہور ۱۳۔ نومبر ۱۹۹۳ء)

نوائے وقت نے اپنے اداریے "م-ش" کا سانحہ ارتحال (مطبوعہ ۳ دسمبر ۱۹۹۳ء) میں بجا طور پر لکھا ہے کہ

ان کا شمار صف اول کے اخبار نویسوں میں ہوتا تھا۔ وہ قائد اعظم محمد علی جناح کے معتمد ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے....سیاسی اور صحافتی حلقوں میں میاں شفیع (المعروف م-ش) ایک عظیم محب وطن اور بے لاگ صحافی کے طور پر جانے جاتے تھے۔ ان کے انتقال سے صحافت میں عظیم خلاء محسوس ہوگا۔ اس لحاظ سے ہفت روزہ لاہور کے مدیر محترم نے میاں صاحب کے انتقال پر ملال پر جو دل میں اتر جانے والا اداریہ تحریر فرمایا ہے اس میں خاص طور پر ان الفاظ کا بڑا وزن ہے۔ روزنامہ نوائے وقت" اور اس کے جمعہ ایڈیشنوں" میں ان کے جتنے بھی مقالات شائع ہوئے ہیں انہیں بجا طور پر تاریخی اعتبار سے ثقہ و مستند قرار دیا جا سکتا ہے۔ کاش یہ ادارہ انہیں کتابی صورت دے کر آئندہ نسلوں کے لئے آگہی کی راہیں آسان کر دے"

شکریئے کے ساتھ

جناب "م-ش" ایک طویل عرصہ تک روزنامہ نوائے وقت میں "م ش کی ڈائری" اور نوائے وقت "جمعہ میگزین" میں اپنی یادداشتیں "پدرم کسان بود" کے عنوانات سے لکھتے رہے۔ ان کی یہ قیمتی تحریریں آزادی وطن تحریک پاکستان اور "قیام پاکستان" کی آنکھوں دیکھی مستند تاریخ۔ اور ان سے وابستہ ان گنت تاریخ ساز شخصیتوں کے کارناموں اور حالات کا مستند تعارف کراتی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ اپنی ان تحریروں میں ملکی حالات اور قومی مسائل پر بھی بھرپور اور بے لاگ اظہار خیال کرتے رہے ہیں آج انہی حقیقت افروز اور بے لوث تحریروں میں سے بعض قند مکرر کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے یہ اندازہ بھی ہوگا۔ کہ اس کو گی شرافت کے ماحول میں بھی۔

"ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں"

ملکی معاشرہ

سات اپریل ۱۹۹۲ء کے نوائے وقت میگزین میں لکھتے ہیں:-

"۱۹۳۰ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک آپ اخبارات کی فائلیں کھنگال لیں۔ پرانے رسائل کو دیکھ لیں۔ آپ کو کسی اخبار میں مسلمانوں کی طرف سے ڈاکے ڈالنے کی لمبی چوڑی سرخیوں کے ساتھ خبریں نہیں مل سکیں گی البتہ حر تحریک نے پیر صاحب پگاڑا کی زیر قیادت "حرستان" بنانے کے خیال سے ریلوں کی پٹڑیوں کو اکھاڑا اور دوسرے لاء اینڈ آرڈر کے مسائل پیدا کئے لیکن انگریز نے دنوں میں حروں کو اس طرح شکنجے میں کس لیا اور ان کے قائد کو ایسی شدت سے قابو کیا کہ انہیں پھانسی پر لٹکا کر چھوڑا۔ حروں کے اس مختصر سے باغیانہ اعمال کو چھوڑ کر مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی اپنے آپ کو صرف پاکستان کو حاصل کرنے اور مسلم لیگ کو مضبوط بنانے میں دن رات صرف کئے۔ لیکن جب پاکستان بنا اور لوگوں کے سامنے دولت کمانے۔ سماجی طور پر آگے بڑھنے کے راستے کھلے بلکہ ووٹوں کے ذریعہ سیاست کے قابل ہونے کے امکانات بھی سامنے آئے تو اس عبوری دور میں ڈاکے بڑھے۔ چوریاں عام ہوئیں قتل و غارت کے ڈرامے ہر جگہ منعقد ہونے لگے۔ افسروں کی ترقیاں ہوئیں۔ کچے کمروں میں زندگی بسر کرنے والے کوٹھیوں کے مکین بن گئے۔ گلی ڈنڈا کھیلنے والے بڑے بڑے کارخانوں کے مالک بن گئے۔ نئے سکول اور ہسپتال کھلنے لگے۔ نئی یونیورسٹیاں قائم ہونے لگیں۔ شادی بیاہ کی رسوم بڑھنے لگیں اور چھوٹے چھوٹے لوگ شادی کے موقع پر اپنی بیٹیوں کو لوٹے ہوئے ہیروں کے ہار پہنانے لگے تو ہم ایک پسماندہ' غریب معاشرے سے اٹھ کر عبوری دور میں داخل ہو گئے۔ اب ہمارے علماء کرام' ہمارے دانشور' ہمارے اخبارات' ہماری حکومت کے کل پرزے ہیں' ایک نواسلام کا نعرہ سنا رہے ہیں ہمیں ٹی وی ریڈیو پر قرآن سنا سنا کر کہا جاتا ہے کہ ہم غلط دور میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہمیں قرآن و سنت کے نظام پر گامزن ہونا ہوگا۔ جتنی شدت سے ایک نواسلام کا نعرہ لگ رہا ہے اسی شدت سے ملک میں ڈاکے۔ قتل۔ اغواء اور دوسری کمائیوں کے راستے تیزی سے کھل رہے ہیں"۔

(نوائے وقت جمعہ میگزین)

تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند

۵۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء کے نوائے وقت میگزین میں (جناب م-ش) تحریر فرماتے ہیں کہ

۔ "آج علماء دیوبند لاکھ تاویلیں کریں لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مولانا حسین احمد مدنی کی زیر قیادت انہوں نے مسلم لیگ کے مقابلے پر کانگریس سے عملی تعاون کیا تھا۔"

جنرل ضیاء الحق کا اسلامی دور

آگے چل کر لکھتے ہیں۔۔ ایک تکلیف دہ بات جو مجھے چین نہیں لینے دیتی یہ ہے کہ تبلیغ کا کام بالکل ٹھپ ہو چکا ہے۔ آریہ سماجی اور سکھ تو یہاں سے چلے گئے ہیں۔ لیکن غیر ملکی عیسائی مشنریوں نے اب پاکستان میں اپنے جال پھر چار جانب پھیلا دیئے ہیں۔ عیسائیوں کی تعداد دھڑا دھڑ بڑھ رہی ہے تعجب انگیز بات یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے اسلامی دور میں جتنا فروغ عیسائیت کو ملا ہے "اس کا جواب نہیں"

خلفشار کا باعث

جناب "م ش" نے بڑی دردمندی سے نوائے وقت ۳۰۔ اگست ۱۹۸۸ء میں ایک بات لکھی۔ میں یہ بات دردمندی سے کہتا ہوں کہ پاکستان کی تاریخ میں "علمائے اسلام" (الاماشاءاللہ) اپنے قول و فعل سے اس نئی اسلامی مملکت کے لئے طاقت اور استحکام کا ذریعہ بننے کی بجائے

اس میں تشتت و افتراق' نفاق اور خلفشار کا باعث بنے ہوئے ہیں سچی بات یہ ہے کہ برصغیر کے مذکورہ علمائے کرام اسلام کے نہیں بلکہ فرقوں کے علمائے کرام ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم صاف صاف فرقہ واریت کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے اور فرقہ پرستوں کو عذاب عظیم کی وعید سناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شیعہ اور سنی کی کوئی حقیقت نہیں کیوں کہ قرآن کریم صاف الفاظ میں اعلان کرتا ہے "ان الدین عند اللہ الاسلام" اور قرآن کہتا ہے کہ جو "اسلام پر ایمان لاتے ہیں انہیں مسلمان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے"

حقیقت پسندانہ تحریریں

قارئین کرام محترم! راقم السطور کو یقین ہے کہ جناب م-ش کے بے لاگ قلم سے موجودہ معاشرہ اور ہمارے ہاں کے مذہبی ٹھیکے داروں کی دل آزار عملی۔ حالت زار کی تفصیل پڑھ کر آپ ضرور رنجیدہ خاطر ہوئے ہوں گے۔۔۔ یہ موصوف کے قلم کی خوبی تھی۔ کہ وہ وطن عزیز کے جلیل القدر فرزندوں کا ذکر بڑی جرأت' حق پرستی اور شایان شان انداز میں کرتا تھا۔ اس خطہ ارض کے وہ عظیم فرزند جنہوں نے اس کی تعمیر و استحکام کے لئے بڑی دور رس خدمات انجام دیں اور جن کے قابل فخر کارنامے ہماری تاریخ کے سدا بہار ابواب ہیں) ان کا تذکرہ۔۔۔ ان کے قلم نے ہمیشہ بے ساختہ پن اور حقیقت پسندی سے کیا۔ وہ اظہار و بیان کے کسی موڑ پر بھی سیاست کی شعبدہ کاریوں سے متاثر نہیں ہوئے چنانچہ ان کی تحریروں کا ایک ایک لفظ ان کے قاری کے قلب و ذہن پر نقش ہوتا چلا جاتا ہے

اپنے مخصوص کالم "پدرم دہقان بود" ۔۔(موجودہ ۶/ مارچ ۱۹۹۲ء) "قربتیں اور فاصلے" کے ذیلی عنوان کے تحت؛۔ تحریر فرماتے ہیں۔

ظفراللہ خاں

۔ "چودھری سر شاب الدین کے رسالے "لیگل رپورٹر" میں پروف ریڈر کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کرنے والا ایک عام لاء گریجوایٹ آخر کار اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا چیرمین اور "انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس" کا چیف جسٹس بن کر زندگی سے اپنی قابلیت کا لوہا منواتا ہے لیکن پاکستانی اخبار نویس عموماً ایسے شخص کے رول کو اس لئے گول کر جاتا ہے کہ اس کردار کا مالک عقیدہ کے لحاظ سے احمدی تھا"

چودھری سر محمد ظفراللہ خاں نے پنجاب لیجسلیٹو کونسل سے لے کر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس تک سیاسیات میں اعلیٰ پائیہ کا تعمیری کردار ادا کیا۔ وہ قائد اعظم کی زندگی میں لیاقت علی خاں کی کابینہ میں وزیر خارجہ کی حیثیت سے بھرتی ہوئے اور آج ہم کشمیر کے متعلق سیکورٹی کونسل کی جس قرارداد کو اساس بنا کر کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اسے سیکورٹی کونسل سے متفقہ طور پر پاس کروانے میں ظفراللہ خاں کا ہاتھ تھا۔ یہی نہیں ۔ عرب ممالک کی جنگ آزادی میں اقوام متحدہ میں ان کی نمائندگی کا بھرپور کردار۔ ظفراللہ خاں نے پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت میں تاریخی کارنامے انجام دیئے انہوں نے اپنی زندگی کے تمام کوائف اپنی سوانح حیات "تحدیث نعمت" میں لکھے ہیں اگر انہوں نے کوئی غلط دعویٰ کیا ہے تو نقادین کا یہ فرض ہے کہ اس کی نشان دہی کریں۔ ان تمام امور سے سب سے اہم بات یہ ہے کہ "قائد اعظم نے چودھری سر محمد ظفراللہ خاں کو مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے نامزد کیا تاکہ وہ پارٹیشن کمیٹی کے سامنے پیش ہوں"

یہ سارا کیس تین جلدوں میں حکومت کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں کمیشن کے سامنے کانگرس' سکھوں اور مسلم لیگ کے کیس کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے جو چاہے اسے پڑھ سکتا ہے قائد اعظم معمولی انسان نہیں تھے وہ تاثرات کی بنا پر لوگوں کے متعلق رائے قائم کرنے کے عادی نہ تھے۔ بلکہ وہ اپنے تجربے کی کسوٹی پر لوگوں کو کسا کرتے تھے انہوں نے بہت سوچ بچار کے بعد ظفر اللہ خاں کو مسلم لیگ کی نمائندگی کے لئے نامزد کیا تھا۔ خواجہ عبدالرحیم۔ سید احمد سعید کرمانی اور ساہیوال کے شاہ صاحب ان کی (مسلم لیگ کے مقدمے کی تیاری میں) مدد کرتے تھے۔

"میں نے بطور انسان چوہدری ظفراللہ خاں کو ایک بہت دل کش انسان پایا" آگے لکھتے ہیں:-

چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں ناروادار قسم کے انسان نہ تھے۔ بلکہ وہ بہت خوش مزاج اور لطیفہ گو بھی تھے ایک سکھ مجسٹریٹ کی نقل اتارتے تھے تو ہنسا ہنسا کر محفل کو زعفران زار کر دیتے تھے وہ کٹر اور پکے احمدی تھے اور اس کے متعلق کسی کو دل میں شبہ نہیں رہنے دیتے تھے لیکن ان کے ذاتی ملازم غیر احمدی تھے ان کے غیر احمدی ہونے کی بناء پر ان سے حسن سلوک میں کوئی کمی نہ آتی تھی۔ (نوائے وقت میگزین ۶/ مارچ ۱۹۹۳ء)

کوئی تو پرچم لے کر نکلے

اسی طرح روزنامہ نوائے وقت ۳/ فروری ۱۹۹۰ء) میں کوئی تو پرچم لے کر نکلے" کے زیر عنوان) اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کی قرارداد مجریہ ۵/ جنوری ۱۹۴۹ء کے مطابق جس پر سوویٹ روس کے دستخط ہیں اصولی طور پر نہ صرف مقبوضہ ریاست جموں و کشمیر بلکہ آزاد جموں و کشمیر کے عوام کا یہ فیصلہ کہ۔ آیا وہ پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں یا بھارت سے رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں "افسوس اس امر کا ہے کہ اس وقت پاکستان میں کوئی ظفراللہ موجود نہیں۔"

اور تو اور ایوب پراچہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے۔ سر ظفراللہ خاں کا جنہوں نے سیکورٹی کونسل کے سامنے کشمیر کا کیس پیش کیا تھا۔ اور ایوب پراچہ جو اس معاملہ میں ان کے دست راست تھے۔ کشمیر کے معاملے کی ایک ایک شق سے آگاہ تھے اور انہیں اس مسئلہ کے قانونی بین الاقوامی' اخلاقی' سیاسی' اور ڈپلومائی حقائق کا مکمل علم تھا۔"

سر دوستاں سلامت

اسی طرح ۲۱/ ستمبر ۱۹۹۰ء کے نوائے وقت میگزین میں تحریر فرماتے ہیں:-

۔ "آخر میں ایک ایسے شخص کے فن تقریر پر کچھ کہنے چلا ہوں کہ جن کا نام آتے ہی پاکستان کے ایک حصہ میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ لیکن میں اس شخص کا انصاف کا خون بہائے بغیر اس مضمون سے نام محو نہیں کر سکتا۔ میری مراد سر محمد ظفراللہ خاں سے ہے۔ وہ اردو اور انگریزی کے ایک بے پناہ زبردست اور ٹھنڈے دل و دماغ کے اعلیٰ پایہ کے مقرر تھے۔ انہوں نے قائد اعظم کے حکم کے تحت پارٹیشن کمیٹی میں مسلم لیگ کی جس طرح ترجمانی کی اس کا مکمل ریکارڈ موجود ہے۔ اس طرح قیام پاکستان کے بعد انہوں نے جس انداز سے کشمیر کے مسئلہ کو سیکورٹی کونسل کے سامنے پیش کیا یہ اس کا ثمر تھا کہ سیکورٹی کونسل نے متفقہ طور پر کشمیر کے مستقبل کے عوام کے استصواب رائے سے مشروط کر دیا۔

چوہدری محمد ظفراللہ خاں نے عربوں کے کیس کی اقوام متحدہ میں جس خلوص' دیانتداری' بلند حوصلگی سے نمائندگی کی۔ اس کا اعتراف تمام عالم اسلام کو ہے۔ میں نے جو کچھ دیانتداری سے سمجھا اسے لکھ دیا۔ اب مجھے ایک مخصوص حلقے سے

A COMMENT ON THE JUDGEMENT IN THE CASE OF AHMADIS

IS THE SUPREME COURT OF PAKISTAN AN ARBITER OF CONSTITUTION OR A LONG ARM OF RELIGIOUS FANATICS?

On July 3, 1993, the Supreme Court of Pakistan handed down its verdict on appeals arisen out of proceedings initiated by or against certain individuals belonging to Ahmadiyya community. The question of law common to all these appeals was "whether Ordinance No. XX of 1984 [The Anti-Islamic Activities of the Qadiani Group. Lahori Group and Ahmadies (Prohibition and Punishment) Ordinance, 1984] is ultra vires the Constitution.-"

Rather than strictly scrutinising the ordinance and its derivative laws to determine whether they were offensive to the basic rights guaranteed under the Article 20 of the Constitution of Pakistan as the minority had done, the majority veered out of tracks of constitutional issues and concluded that Ahmadiyys practice of Islamic religion is offensive to all muslims and, thus, the repugnant, unconscionable and blatantly discriminatory laws to enforce Ordinance No. XX which was enacted by a tyrant and dictator do not offend the basic human rights guaranteed by the constitution.

A half century ago, The United States Supreme Court decided Korematsu, the infamous Japanese Exclusion Case. This case involved a post-Pearl Harbor military order excluding all persons of Japanese ancestry from certain area of the West Coast, and resulting in their effective imprisonment. The order was applied against citizen as well as non-citizen. The Supreme Court upheld the order. The majority reasoned that there was a compelling need to prevent espionage and sabotage, and that there was no practical and sufficient rapid way for the military to distinguish the loyal from the disloyal.

Commentators have almost universally scorned Korematsu as one the worst betrayals of American 's constitutional rights in the Supreme Court's history. Few years ago, the United State Congress officially condemned and regretted the enforcement of that order and apologised to affected Japanese American and their children for action taken by the United States Government then. The Congress has allocated funds to compensate those who were affected by that order

Justice Jackson, a dissenter in Korematsu, suggested that the order was based at least in part on racial prejudice when he pointed out that no attempt was made anywhere in the United States to exclude German or Italian aliens. However, in Pakistani case, one can argue that not only the Ordinance and the derivative laws are oppressive but certain parts of the judgment are unjust and blatantly

discriminatory as a result of Justice's personal prejudice and hatred against Ahmadiyya rather than their legal analysis and logical reasoning. The majority has terribly failed to follow the well established sound principles of interpretation of constitution laid down by the same court earlier in its 1957 decision in Jibindra Kishore's case. Where the Court had stated:

The very conception of a fundamental right is that it being a right guaranteed by the constitution cannot be taken away by law and it is not only inartistic but a fraud on the citizens, for maker of the constitution to say that the right is fundamental but it may be taken away by law ... .The constitution should receive a liberal interpretation in favour of citizen especially with respect to those provisions which were designed to safeguard freedom of conscience and worship.

In the present case at bar, the certify question before the Court was not to determine the religious belief of Ahamdis and to declare them muslim or non muslims. Nonetheless, the majority took it as if it was called upon to decide that particular issue. Writing for majority, Justice Chaudhry condemned the Ahamdiyya faith, fired vicious and cheap ugly shots at the founder of the religion and ridiculed him by depicting some paragraphs from his book to boost his view on Islam. As Justice observed:

Quran on the other hand, praises Jesus Christ, his mother and his family (citation omitted). Can any muslim utter any thing against Quran and can anyone who does so claim to be muslim? How can then Mirza Ghulam Ahmed or his followers claim to be Muslim? It may also be noted here that, for his above writings, Mirza Sahib could have been convicted and punished, by an English Court, For the offence of blasphemy, under the Blasphemy Act, 1679, with the term of imprisonment.

Moreover, the majority granted the use of word such as kalma, azan and masjid to only muslims exclusively by labeling them as patents or trade marks of Islam, thus, making it property which can be traded. This is the most absurd legal argument this commentator ever heard. The Court has correctly stated that the religious rights are not absolute, as it has been observed by the highest Courts of other nations. However, unlike Pakistan Supreme Court, the United States Supreme Court have been applying this principle cross the border to all the religions regardless of their size and belief, and whether it offended the feeling of any particular sect or religion.

The Korematsu's decision and Pakistan Supreme Court decision in the case of Ahmadis smell like rotten eggs. Both decisions upheld the discriminatory orders based on racial prejudice and on religious prejudice respectively. After considering totality of circumstances

under which both decisions were made, this commentator concludes that Pakistan Supreme Court decision in the case of Ahmadis scores a landslide victory for the worst rotten stinking egg.

S. Aftab Sharif
Attorney at Law

Note: This commentator does not belong to Ahmadiyya Community, and does not have enough knowledge of this particular sect and therefore has no comments on Ahmadiyya religious belief.

احمدیوں کے متعلق فیصلہ پر ایک تبصرہ

کیا پاکستان کی سپریم کورٹ غیر جانبدار قانونی ثالث ہے یا ملاّؤں کی سرپرست؟

(ترجمہ: ملک خلیل الرحمٰن)

۳ جولائی ۱۹۹۳ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے انفرادی طور پر احمدیوں کے یا احمدیوں کے خلاف دائر شدہ مقدمات سے متعلق اپیلوں پر اپنا فیصلہ صادر کیا۔ ان تمام اپیلوں پر مشترک قانونی نقطہ یہ اٹھایا گیا تھا کہ کیا ۱۹۸۴ء کا مروجہ آرڈیننس نمبر ۲۰ یعنی احمدیوں، قادیانیوں اور لاہوری جماعت کی "غیر اسلامی" سرگرمیوں پر پابندی اور سزا کا قانون غیر آئینی ہے۔ بجائے اس کے کہ آرڈیننس اور اسکی ذیلی دفعات کی سنجیدگی سے جانچ پڑتال اور چھان بین کی جاتی کہ وہ کس حد تک ان تمام بنیادی انسانی حقوق کو پامال کرتی ہیں جن کی ضمانت پاکستان کے دستور اساسی کی دفعہ ۲۰ میں دی گئی ہے۔ سوائے چند ججوں کے عدالت کی اکثریت نے آئینی طور پر اٹھائے ہوئے تمام نکات کو پس پشت ڈالتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ احمدیوں کا اسلام پر عمل کرنا تمام مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتا ہے اور یوں ایک ظالم مطلق العنان آمر کے وضع کردہ آرڈیننس نمبر ۲۰ کے گھناؤنے حد درجہ قابل مذمت اور بے جا امتیاز روا رکھنے والے تعزیری قوانین ان بنیادی انسانی حقوق کی نفی نہیں کرتے جن کی دستور اساسی میں ضمانت دی گئی ہے۔

نصف صدی قبل امریکہ کی سپریم کورٹ نے جاپانیوں کے اخراج کے بارے میں رسوائے عالم "کورے میٹسو" مقدمہ میں اسی قسم کا فیصلہ صادر کیا تھا۔ یہ مقدمہ اس فوجی حکم نامے سے متعلقہ تھا جو "پرل ہاربر" کی جنگ کے بعد جاری کیا گیا اور جس کے اطلاق کی وجہ سے ان تمام اشخاص کو جو جاپانی نسل سے تعلق رکھتے تھے مغربی ساحل کے ایک مخصوص علاقے میں داخلے کی ممانعت تھی اس کے نتیجہ میں انہیں عملی طور پر قیدی بنا دیا گیا تھا۔ اس حکم نامے کا اطلاق امریکی و غیر امریکی شہری پر یکساں ہوتا تھا۔ سپریم کورٹ نے اس حکم نامے کو برقرار رکھا۔ عدالت کی اکثریت کا استدلال یہ تھا کہ اس وقت جاسوسی اور تخریب کاری کی روک تھام کی سخت ضرورت ہے اور عملی اور فوری طور پر فوج کے لئے ایک وفادار اور باغی میں تمیز کرنا ممکن نہیں رہا۔

تقریباً تمام تبصرہ کرنے والوں نے "کورے میٹسو" فیصلہ کو مجموعی طور پر حقارت آمیز قرار دیا اور امریکی سپریم کورٹ کی تاریخ میں انسانی حقوق کے خلاف بدترین بغاوت اور غداری قرار دیا۔ چند ہی سال قبل امریکی کانگرس نے باضابطہ طور پر اس حکم کے نفاذ کی مذمت کی تھی اور ندامت کا اظہار کیا تھا اور اس وقت کی امریکی حکومت کے اس فعل سے متاثرہ جاپانی نسل کے امریکی شہریوں اور ان کے بچوں سے معذرت کی تھی نہ صرف یہ بلکہ متاثرین کی تلافی کے لئے فنڈز بھی قائم کئے گئے تھے۔

اختلاف رائے رکھنے والے جج جسٹس جیکسن نے "کورے میٹسو" مقدمہ میں اس امر کا اظہار کیا کہ کسی حد تک اس فیصلے کی بنا نسلی تعصب پر منتج ہوتی ہے کیونکہ امریکہ میں کسی جگہ بھی اس فیصلے کا اطلاق کسی جرمن یا اٹلی کے باشندے پر نہیں کیا گیا تھا۔ جبکہ پاکستانی مقدمہ میں یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ نہ صرف آرڈیننس اور اس کے ذیلی قوانین ظالمانہ ہیں بلکہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے بعض حصے انتہائی غیر منصفانہ اور شرمناک حد تک بے جا امتیاز رکھنے والے ہیں جس سے جج کا احمدیوں سے ذاتی تعصب اور نفرت پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے اور اس فیصلہ کا قانونی تجزیے اور عقلی دلائل سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ عدالت کی اکثریت قانون کی صحیح توجیح دنیا کے ایسے مستند اصولوں کی روشنی میں کرنے میں بری طرح ناکام ہوئی ہے جو خود اسی عدالت نے ۱۹۵۷ء میں جیبندرا کشور کے مقدمہ میں فیصلہ دیتے ہوئے تسلیم کئے تھے۔ عدالت بیان کرتی ہے

"بنیادی حقوق کا تصور ہی یہ ہے کہ جس حق کی آئین ضمانت دیتا ہے اسے کسی قانون کی بنا پر چھینا نہیں جاسکتا۔ کسی قانون دان کا یہ کہنا کہ حق تو یقیناً بنیادی ہے مگر قانون سے چھینا جاسکتا ہے صریحاً بے اصول بات ہے بلکہ ایسا کرنا شہریوں کے ساتھ صریحاً دھوکہ دہی کے مترادف ہے۔

قانون کی توجیح و تشریح صاف دلی اور میانہ روی سے کرنی چاہئے خصوصاً ایسے حقوق جو ایک شہری کی آزادی ضمیر اور مذہبی آزادی سے متعلق ہوں

موجودہ زیر بحث مقدمہ میں عدالت کے سامنے احمدیوں کے مذہبی عقائد کا تعین کرنا اور انہیں مسلمان یا غیر مسلم قرار دینا ہرگز نہ تھا تاہم ججوں کی اکثریت کی طرف سے فیصلہ لکھتے ہوئے جسٹس

بقیہ ص ۱۵ پر

بقیہ : م ۔ ش ۔ کی بیباک تحریریں

انیئوں کا انتظار رہے گا۔

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ایم ۔ ایم احمد م ۔ ش کی ڈائری (جو نوائے وقت میں ۲۹/ جون ۱۹۷۱ء کو شائع ہوئی لکھتے ہیں۔ "صدر کے اقتصادی مشیر جناب ایم ایم احمد میرے خیال میں پہلے "فنانشل ایکسپرٹ" ہیں جنہوں نے اپنی بجٹ تقریر میں پاکستان کے ایک نظریاتی مملکت ہونے کا واشگاف الفاظ میں اعلان کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ پاکستان کے قیام میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو دخل حاصل تھا انہوں نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کے ساتھ اس جذبہ کو از سر نو فروغ دیں جو قیام پاکستان کا باعث ہوا تھا..... ایم ۔ ایم احمد نے ایک غیرت مند محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے اس چیلنج کو بھی قبول کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے جو بیرونی ملکوں کی طرف سے مشروط مالی امداد کی شکل میں پاکستان کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہا ہے۔ ایم ۔ ایم احمد کا یہ اعلان پاکستان کے دشمنوں کے ناپاک منصوبوں پر بم بن کر گرے گا"

ڈاکٹر عبدالسلام روزنامہ "مشرق" ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۹ء نے اپنے اداریے میں لکھا:۔

پاکستان کے ممتاز سائنسدان پروفیسر عبدالسلام کو طبیعیات کے شعبے میں اعلیٰ تحقیقی کام کرنے پر اس سال نوبل انعام ملا ہے جو بلا شبہ پاکستان کے لئے ایک اعزاز ہے اسی لئے صدر مملکت نے اپنے پیغام تہنیت میں بجا طور پر یہ بات کہی ہے کہ "پروفیسر عبدالسلام کو نوبل انعام ملنے سے پاکستان اقوام عالم میں سربلند ہو گیا ہے" اسی روزنامے کی ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۹ء کی اشاعت میں "م ۔ ش کا کالم" نوبل پرائز یافتہ عبدالسلام کا "گھریلو ماحول" ان الفاظ میں شائع ہوا۔

..."نظریاتی طبیعیات میں ریسرچ پر نوبل پرائز حاصل کرنے والے پاکستانی سپوت ڈاکٹر عبدالسلام کا تعلق جھنگ کے ایک متوسط درجے کے خاندان سے ہے۔ ان کے والد ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں ہیڈ کلرک تھے۔ دنیاوی لحاظ سے یہ ایک معمولی منصب تھا لیکن وہ ایک بلند اخلاق انسان تھے۔ جنہوں نے اپنی پاکیزگی اخلاق سے اپنے ماحول کو عموماً اور اپنے اہل خاندان اور اہل و عیال کو خصوصاً متاثر کیا۔ پروفیسر عبدالسلام اپنے والد کے عملی درس اخلاق کے بہترین معلم اور یادگار متصور ہوتے ہیں۔ پروفیسر عبدالسلام کے والد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ گھر اور دفتر میں ایک مثالی قسم کے انسان تھے۔ ان پر یہ قول لفظ بلفظ صادق آتا تھا کہ "ایک ٹن وعظ پر ایک اونس کا حسن عمل بھاری ہوتا ہے۔"

انہوں نے "رزق حلال" کو اپنا ماٹو قرار دیا تھا.....وہ نہ تو اپنے افسروں کی بے جا خوشامد کرتے تھے اور نہ اپنے ماتحتوں کو بلاوجہ جھڑکتے تھے...ان کے حسن کردار نے ننھے عبدالسلام کے دل و دماغ کو بچپن ہی سے متاثر کیا اور انہوں نے شروع دن ہی سے اپنی زندگی کو منظم کرنا شروع کیا.... اگر عبدالسلام کے والد کی طرح پاکستان میں لوگوں نے اپنی اولاد کی طرف توجہ دی ہوتی۔ تو پاکستان میں آج ایک ایسی نسل معرض وجود میں آچکی ہوتی جو حقیقی معنوں میں علامہ اقبال کے شاہین کہلانے کی سزا وار ہوتی۔"

(روزنامہ الفضل ۔ ربوہ ۱۸ جنوری ۹۴)

بقیہ : رمضان کے روزے

عذر نہ رہیں یعنی بیمار تندرست ہو جائے۔ مسافر اپنے گھر پہنچ جائے یا کسی جگہ پندرہ یا پندرہ سے زائد دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لے۔ حائضہ حیض سے پاک ہو جائے۔ نفاس کے دن ختم ہو جائیں۔ حاملہ کے بچہ پیدا ہو جائے یا دودھ پلانے والی دودھ پلانا بند کر دے۔ اس حالت میں ان لوگوں پر چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا واجب ہوگی اور یہ روزے دوبارہ انہیں رکھنے ہوں گے۔

رمضان کا چاند

رمضان کے چاند دیکھنے کا اہتمام سنت ابرار ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رمضان کے چاند کا انتظار اس اشتیاق سے کرتے جیسے کسی معشوق کی آمد ہے۔ ایک خاص ہماہمی اور گہماگہمی ہوتی تھی اور ایک خاص ذوق و شوق رمضان کی برکات کے حصول کے لئے ان میں پیدا ہو جاتا تھا۔ جس رات رمضان کا چاند نظر آتا اسی رات سے قیام اللیل پر عمل شروع ہو جاتا۔ رات کو جاگنا، کثرت سے نوافل پڑھنا، تراویح کا اہتمام کرنا، قرآن پڑھنا اور سننا اور ذکر الٰہی کرنا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر سو کر نماز تہجد اور سحری کے لئے اٹھ بیٹھنا ان ہی مشاغل میں ان کی رات بسر ہو جاتی اور ہر رات ان کا یہی معمول رہتا۔

جان بوجھ کر روزہ توڑ دینا

جو شخص جان بوجھ کر روزہ توڑے وہ سخت گنہگار ہے۔ ایسے شخص پر بغرض توبہ کفارہ واجب ہو گا۔ یعنی پے درپے اسے ساٹھ روزے رکھنے پڑیں گے یا ساٹھ مسکینوں کو اپنی حیثیت کے مطابق کھانا کھلانا پڑے گا یا ہر مسکین کو دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ توبہ کے سلسلہ میں اصل چیز حقیقی ندامت ہے جو دل کی گہرائیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ کیفیت انسان کے اندر پیدا ہو جائے لیکن اس میں ساٹھ روزے رکھنے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کی استطاعت نہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کے رحم اور اس کے فضل پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اس صورت میں استغفار ہی اس کے لئے کافی ہو گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور دہائی دینے لگا یا حضرت میں ہلاک ہو گیا۔ حضور نے دریافت فرمایا کس نے تجھے ہلاک کیا ہے۔ اس نے عرض کی حضور روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے پاس چلا گیا ہوں۔ حضور نے فرمایا کیا تو غلام آزاد کر سکتا ہے۔ اس نے عرض کی نہیں۔ پھر حضور نے پوچھا ساٹھ روزے مسلسل رکھ سکتا ہے۔ اس نے کہا حضور نہیں۔ اگر ایسا ہو سکتا اور شہوانی جوش کو روک سکتا تو یہ غلطی ہی کیوں سرزد ہوتی۔ حضور نے فرمایا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ اس نے کہا غربت ایسا کرنے سے مانع ہے۔ حضور نے فرمایا تو پھر بیٹھو۔ اتنے میں کوئی شخص ایک ٹوکری کھجوروں کی لے آیا آپ نے فرمایا اٹھا لے اسے اور کھلا دے یہ مسکینوں کو۔ ٹوکری لے کر عرض کرنے لگا مجھ سے زیادہ اور کون غریب ہو گا۔ مدینہ بھر میں سب سے زیادہ محتاج ہوں۔ حضور اس کی اس عرض پر کھل کھلا کر ہنس پڑے اور فرمایا جاؤ اپنے اہل و عیال کو ہی کھلا دو۔

وہ امور جن کے متعلق عوام خیال کرتے ہیں کہ ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

پچھنے لگوانا، قے کرنا، دن کو سرمہ لگانا، معمولی اپریشن کرانا، کلوروفارم سونگھنا روزہ کی حالت میں ان باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ انہیں پسند نہیں سمجھا گیا اس لئے اس قسم کی باتیں مکروہ ہیں۔ ان کے علاوہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، خوشبو لگانا، داڑھی اور سر میں تیل لگانا، بار بار نہانا، آئینہ دیکھنا، مالش کرانا، پیار سے بوسہ لینا۔ ان میں سے کوئی فعل بھی منع نہیں نہ ان سے روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ ہی مکروہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جنابت کی حالت میں اگر نہانا مشکل ہو تو نہائے بغیر کھانا کھا کر روزہ کی نیت کر سکتا ہے۔

بقیہ : فیصلے پر تبصرہ

چودھری نے احمدیہ عقائد کی مذمت کی اور جماعت احمدیہ کے بانی کے خلاف انتہائی شرانگیز، گھٹیا اور لچر زبان استعمال کی اور انکی کتب میں سے چند تحریرات لے کر ان کا تمسخر اڑایا اور اس طرح اسلام کے بارے میں اپنے ذاتی خیالات کو اجاگر کیا۔ "

جسٹس لکھتے ہیں:

" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسری طرف قرآن کریم حضرت عیسیٰ، انکی والدہ اور انکے خاندان کی تعریف کرتا ہے (حوالہ نہیں دیا گیا) ۔ کیا کوئی مسلمان قرآن کے خلاف کچھ کہہ سکتا ہے؟ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو کیا وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ تو پھر مرزا غلام احمد یا اس کے متبعین کس طرح مسلمان ہونے کے دعوے دار ہو سکتے ہیں؟ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مذکورہ بالا تحریرات کی بنا پر انگریزی عدالت مرزا صاحب کو Blasphemy Act 1679 کے تحت توہین کا مجرم قرار دے کر قید کی سزا دے سکتی تھی۔ "

مزید بر آں عدالت کی اکثریت کلمہ، اذان اور مسجد جیسی اصطلاحات کو اسلام کے پیٹنٹ یا ٹریڈ مارک قرار دے کر ان کے استعمال کا خصوصی حق صرف مسلمانوں کو دیتی ہے۔ اس طرح وہ اسلام کو ایسی جائیداد کا تصور دیتی ہے جسے خریدا اور فروخت کیا جا سکتا ہے۔

اس قسم کی لغو قانونی بحث میرے جیسے تبصرہ نگار نے کبھی نہیں سنی۔ عدالت کا یہ بیان کہ مذہبی حقوق مطلق نہیں ہوتے درست ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کی اعلیٰ عدالتوں نے اسے تسلیم کیا ہے لیکن پاکستان سپریم کورٹ کے برخلاف امریکی سپریم کورٹ قطع نظر اس بات کے کہ کسی مذہب یا فرقہ کے ماننے والوں کی تعداد کتنی ہے یا ان کے عقائد کیا ہیں یا اس سے کسی دوسرے فرقے یا مذہب کے ماننے والوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے، سب پر یکساں طور پر اس کا اطلاق کرتی ہے۔

"کورے مینسو" اور "احمدیوں کے خلاف سپریم کورٹ آف پاکستان" کے فیصلوں سے عفونت کی بو آتی ہے۔ دونوں عدالتوں نے بالترتیب نسلی تعصب اور مذہبی تعصب کی بنا پر ان غیر منصفانہ فیصلوں کو برقرار رکھا اور دونوں فیصلوں کی نوعیت اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تبصرہ نگار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ پاکستان سپریم کورٹ کا احمدیوں کے خلاف فیصلہ سب عفونت دار فیصلوں کو مات دے گیا ہے۔ " (ایس آفتاب شریف، اٹارنی ایٹ لاء، امریکہ)

نوٹ: یہ تبصرہ نگار احمدی نہیں ہیں اور نہ ہی احمدیت کا بخوبی علم رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے احمدیہ مذہبی عقائد پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔

TO ADVERTISE IN THE
AL FAZL INTERNATIONAL
PLEASE CONTACT
NAEEM OSMAN MEMON
ON TELEPHONE
081 874 8902

Kenssy
Fried Chicken
589 High Road,
Leytonstone,
London E11 4PB

SUPPLIERS OF CATERING MATERIAL FOR WEDDINGS, PARTIES AND OTHER SOCIAL FUNCTIONS
ABBA
CATERING SUPPLIES
081 574 8275
843 9797

Earlsfield Properties
RENTING AGENTS
PROPERTIES WANTED IN ALL AREAS FOR WAITING TENANTS
081 877 0762

A.Z. ELECTRICS
18 Brookwood Road
Southfields, London SW18 5BP
Tel. 081 877 3492 Fax 877 3518
For Video, Television & Eelectronic Spares
Semiconductors
Remote Controls
Video Heads etc.
Visa and Access Cards Accepted for Postal Despatch
Nearest Underground: SOUTHFIELDS District Line

SCL
DISTRIBUTORS OF COMPUTER PARTS AND SPARES DIRECT TO PUBLIC
4A RANELAGH ROAD, SOUTHALL, MIDDLESEX UB1 1DO
TELEPHONE 081 571 0859/9933
MOBILE 0831 093 120
FAX 081 571 9933

AL FAZL INTERNATIONAL ISSN:1352 9587 WEEKLY -LONDON
TELEPHONE NO. 081 870 0919
FAX NO. 081 870 0919

فقہ احمدیہ کی نظر ثانی

فقہ احمدیہ کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ جو عبادات اور نکاح و طلاق اور وراثت کے مسائل پر مشتمل ہیں۔ بعض احباب کے توجہ دلانے پر حضرت امام جماعت ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر ثانی کا ارشاد فرمایا ہے۔

علماء سلسلہ، پرسنل لاء پر عبور رکھنے والے جماعت کے وکلاء و دیگر اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ ہر دو جلد فقہ احمدیہ کا مطالعہ کر کے ان میں جو حصہ قابل اصلاح خیال فرمائیں اس کی نشان دہی فرمائیں۔ لیکن محض اپنا ذاتی تبصرہ دے دینا کافی نہیں ہو گا بلکہ اپنی رائے کی تائید میں شرعی دلائل بھی مکمل تحریر فرمائیں۔

امید کی جاتی ہے کہ احباب کرام ایک ماہ کے اندر اپنے تبصرے دفتر ناظم دارالافتاء ربوہ میں بھجوا دیں گے۔

(ناظم دارالافتاء)

صوفی بشارت الرحمٰن صاحب وفات پاگئے

نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ربوہ میں چند روز بیمار رہ کر ۲۶ جنوری ۱۹۹۴ء بروز بدھ وفات پا گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محترم صوفی صاحب ۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم صوفی عطاء محمد صاحب ۱۹۱۰ء میں احمدیت میں داخل ہوئے تھے۔ آپ کے نانا حضرت شیخ محمد اسماعیل صاحبؓ ۳۱۳ صحابہ میں سے تھے۔ مکرم صوفی صاحب تعلیم الاسلام کالج میں ایک عرصہ تک پروفیسر رہے اور آجکل تحریک جدید میں وکیل التعلیم تھے۔

محترم صوفی صاحب کا جنازہ غائب مورخہ ۲۸ جنوری بعد نماز جمعہ و عصر مسجد فضل لندن میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے پڑھایا۔ انہیں جمعرات ۲۷ جنوری کی شام کو بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

خطبہ جمعہ میں ان کی وفات کی اطلاع دیتے ہوئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مکرم صوفی صاحب مرحوم و مغفور کو تقریباً سب جماعتیں جانتی ہیں۔ وہ مختلف رنگوں میں دین کی بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اور جاں فشانی کے ساتھ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ بہت علمی ذوق تھا اور اللہ کے فضل کے ساتھ دینی علم بڑا گہرا تھا اور ہر وقت کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔ جس خدمت پر بھی مامور رہے علمی مشاغل کو اس کے علاوہ ہمیشہ جاری رکھا۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تظمین در ثمین

"یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی"

صد شکر ہے صوت اسماء کا نغمہ خدایا
سارے جہاں میں گونجا، گھر گھر میں ہے سمایا
سب کو ہے صد مبارک یہ دور شادمانی
"یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی"

شمس و قمر نے مل کر مہدی کے گیت گائے
اہل زمیں نے لیکن "وَالْغَو" کے غل مچائے
اب کیسے رک سکے گا یہ امر آسمانی؟
"یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی"

میرا ہے یہ نہ تیرا یہ قول ہے خدا کا
دنیا کا ہر کنارا دعوت شناس ہوگا
گونجے گا قریہ قریہ پیغام جاودانی
"یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی"

مقبول عام ہوگا یہ دین مصطفیٰ ہے
اس کا غلام در ہی سالار قافلہ ہے
لکھی ہوئی ہے جس کی قسمت میں کامرانی
"یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی"

دعوت کی اس مہم پر ہر احمدی فدا ہے
جسوال بھائیوں کی تعریف کر رہا ہے
کرتے ہیں جو مہیا سامان شادمانی
"یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی"

شبیر آج ہر گھر گلشن بنا ہوا ہے
اک شان نو سے طاہر جلوہ نما ہوا ہے
فرزند ابن مہدی "رحمت" کی اک نشانی
"یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی"

(شبیر احمد، ربوہ)

درس القرآن کے متعلق اعلان

احباب نوٹ فرمالیں کہ رمضان المبارک کے دوران مسجد فضل لندن میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز روزانہ درس القرآن دیا کریں گے۔ درس کے اوقات گیارہ بجے صبح سے ایک بجے بعد دوپہر ہونگے اور یہ درس مواصلاتی رابطہ پر دنیا بھر میں نشر کیا جائے گا۔ (ادارہ)

ایوان محمود کے جدید بلاک کا سنگ بنیاد

ربوہ۔ ۱۵۔ جنوری۔ آج شام سوا چار بجے کے قریب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے دفتر ایوان محمود کے جدید بلاک کا سنگ بنیاد محترم سید میر مسعود احمد صاحب نے عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ رکھا۔ یہ جدید بلاک ایوان محمود کی شمالی جانب تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اس کی تین منازل ہیں پہلی منزل ۶۲ فٹ x ۱۹ فٹ کا ہال ہے۔ اس کے اوپر کی دو منازل میں سے ہر منزل پر چار چار وسیع کمرے ہوں گے تمام دفتر کو جدید سہولتوں سے مزین کیا جائے گا۔ اس پر اندازاً لاگت ۵۔۶ لاکھ روپے ہو گی جبکہ اپریل ۱۹۹۴ء تک اس کے مکمل ہونے کی امید ہے۔

محترم میر مسعود احمد صاحب کے سنگ بنیاد نصب کرنے کے بعد درج ذیل احباب نے ترتیب وار اینٹیں رکھیں۔

محترم راجہ منیر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ۔ محترم سید قمر سلیمان احمد صاحب نائب صدر۔ یوسف سہیل شوق۔ مکرم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب خالد۔ مکرم عبدالسمیع خان صاحب۔ مکرم میاں غلام قادر احمد صاحب۔ مکرم سید طاہر احمد صاحب۔ مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب۔ مکرم سید طاہر محمود ماجد صاحب معتمد۔ مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر۔ مکرم ظفراللہ طاہر صاحب، مکرم سفیر احمد قریشی صاحب، مکرم حافظ محمد برہان صاحب، مکرم سید مبشر احمد ایاز صاحب، مکرم خواجہ ایاز صاحب، مکرم ظہیر احمد خان صاحب، مکرم داؤد احمد او و رسینئر کارکنوں کی نمائندگی میں مکرم عبدالغفور صاحب نے اور اطفال و واقفین نو کی نمائندگی میں عزیز سید ارسلان احمد صاحب ابن مکرم سید قمر سلیمان احمد صاحب نے اینٹ رکھی۔

اینٹیں رکھے جانے کے بعد محترم میر مسعود احمد صاحب نے دعا کرائی۔ یہ عمارت مکرم داؤد احمد صاحب مہتمم صنعت و تجارت کی نگرانی میں مکمل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس عمارت کو اپنے فضل سے ہر قسم کی برکات اور نیک مجالس کی آماجگاہ بنائے۔ آمین

تصحیح

الفضل انٹرنیشنل مورخہ ۴ فروری ۱۹۹۴ء کے شمارہ میں مکرم مسعود مبارک شاہ صاحب، ناظر بیت المال (خرچ) کی وفات کی خبر میں آپ کی ولدیت غلط شائع ہوئی ہے۔

آپ سلسلہ کے ممتاز خادم حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب کے فرزند تھے۔ احباب تصحیح فرمالیں۔

۔میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔

(الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام)